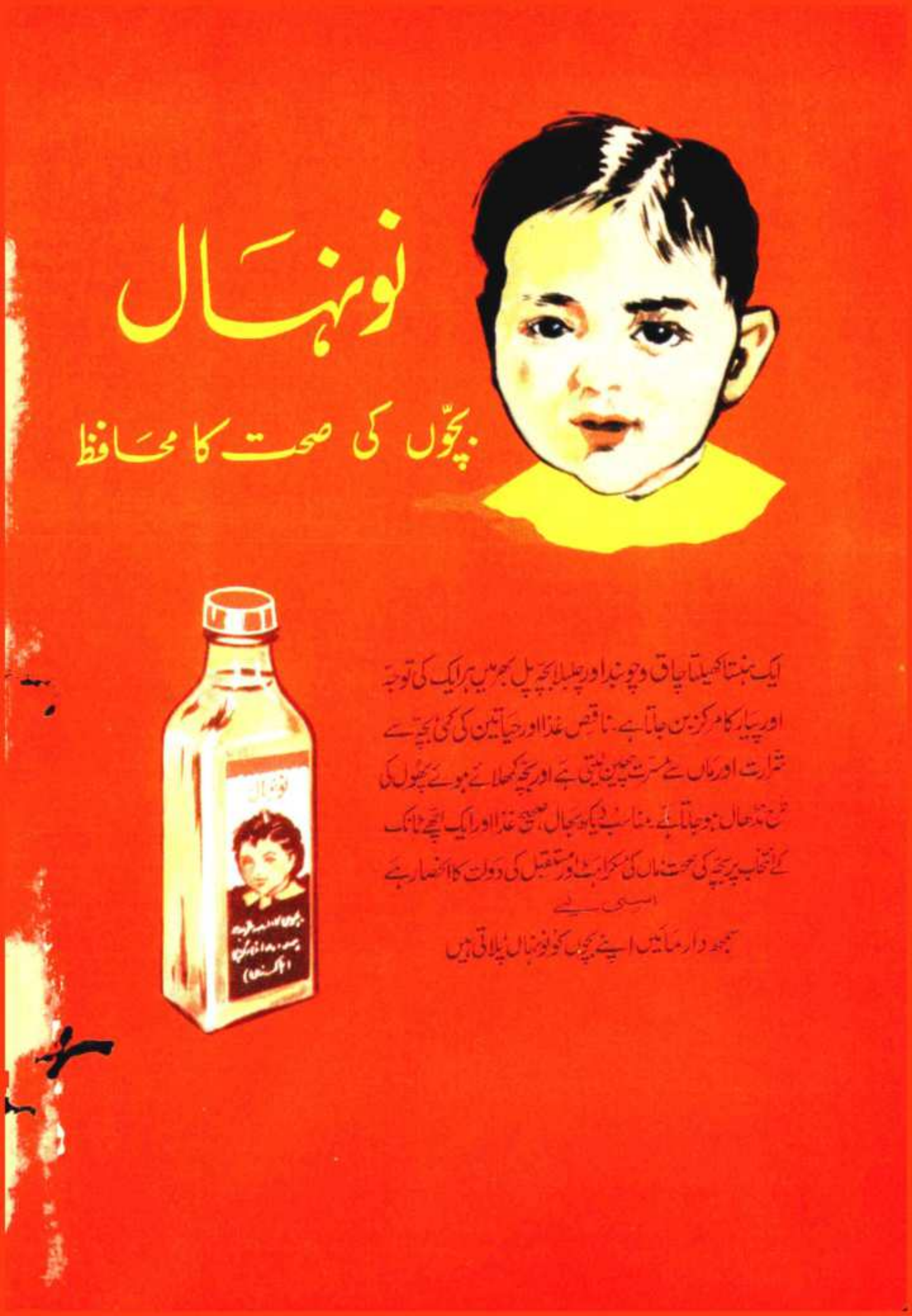
ہمدرد
# نونہال





نونہال
بچّوں کی صحت کا محافظ
ایک ہنستا کھیلتا چاق و چوبند اور چلبلا بچہ پل بھر میں ہر ایک کی توجہ
اور پیار کا مرکز بن جاتا ہے۔ ناقص غذا اور حیاتین کی کمی بچے سے
شرارت اور ماں سے مسرت چھین لیتی ہے اور بچہ کملائے ہوئے پھول کی
طرح نڈھال ہو جاتا ہے۔ مناسب دیکھ بھال، صحیح غذا اور ایک اچھے ٹانک
کے انتخاب پر بچے کی صحت ماں کی مسکراہٹ اور مستقبل کی دولت کا انحصار ہے
اسی لیے
سمجھ دار مائیں اپنے بچوں کو نونہال پلاتی ہیں

اگست ۱۹۶۵ء

مدیر اعلا: حکیم محمد سعید

مدیر معاون: مسعود احمد برکاتی

فون: ۴۷۷۷۵

شمارہ ۸ جلد ۱۲

دفتر ہمدرد نونہال
ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۱۸

# ہمدرد نونہال




قیمت :- ایک رسالہ : ۷۵ پیسے ــــ سالانہ : آٹھ رُپے

# گڑیا کی رخصت

محشر بدایونی



مری گڑیا مہکتی گلاب کی کلی
چلی گھونگٹ میں گڈے کے گھر کو چلی

آنکھوں میں کاجل ہے مکھڑے پہ غازہ
ہاتھوں میں مہندی کی رنگت ہے تازہ

گوری سج بن کے لگتی ہے کیسی بھلی
مری گڑیا مہکتی گلاب کی کلی
چلی گھونگٹ میں گڈے کے گھر کو چلی



## گڑیا کی رخصت



گڑیا کو لینے کو گڈا جو آیا
گڑیا کی سکھیوں نے جوتا چھپایا
دولہا بھائی کو کیسی شرارت کھلی
مری گڑیا مہکتی گلاب کی کلی
چلی گھونگٹ میں گڈے کے گھر کو چلی

باجوں کی جھنکار جھَن جھَن جھَنا جھَن
پائل کی آواز چھَن چھَن چھَنا چھَن
در پہ نوبت بجی گھر میں مشعل جلی
مری گڑیا مہکتی گلاب کی کلی
چلی گھونگٹ میں گڈے کے گھر کو چلی



بارش سی رِم جِھم ستاروں کی آئی
زوروں پہ قسمت کہاروں کی آئی
کیسی ڈولے میں جاتی ہے نازوں پلی
مری گڑیا مہکتی گلاب کی کلی
چلی گھونگٹ میں گڈے کے گھر کو چلی



# پیاسا

ایک شخص سفر میں تھا۔ راستے میں اُس کو پیاس لگی۔ پانی کی تلاش میں ادھر اُدھر نظر دوڑائی سامنے ایک گڑھا دکھائی دیا، جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ پیاسا مسافر اس گڑھے کے پاس گیا اور ایک درخت پر چڑھ کر اپنی جھولی سے اخروٹ نکال نکال کر پانی میں پھینکنے لگا۔

جب درخت سے اخروٹ پانی میں گرتے تھے تو پانی میں بلبلے اُٹھتے، چھینٹیں اُڑتیں اور آواز نکلتی۔

ایک عقل مند آدمی اُدھر سے گزرا اور اِس مسافر کو اخروٹ پھینکتے ہوئے دیکھ کر تعجب سے کہنے لگا، "اے نوجوان، یہ کیا کر رہا ہے؟ اگر تیرا مطلب یہ ہے کہ پانی اُبل کر درخت کی بلندی تک تیرے پاس پہنچ جائے تو یہ خیال غلط ہے۔ یہ تیری نادانی ہے کہ سارے اخروٹ ضائع کر رہا ہے۔ اپنے سب اخروٹ بھی پھینک دے گا تو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اخروٹ پانی چوس لیں گے اور گڑھے کی گہرائی میں ڈوبتے جائیں گے۔"

مسافر نے جواب دیا، "بھائی تم ظاہر کو دیکھ رہے ہو۔ میرا مطلب نہیں سمجھ پائے۔ میں اس گڑھے کا پانی اس لیے نہیں پینا چاہتا کہ معلوم نہیں یہ پاک ہے یا نہیں۔ اور مجھے شدت سے پیاس لگی ہے۔ میں اخروٹ پانی میں اس لیے پھینک رہا ہوں کہ ان کے گرنے سے پانی کی آواز آئے اور اس کو دیکھ کر میری پیاس بجھتی رہے۔ دُنیا میں پیاسے کا مشغلہ اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ پانی کے حوض یا تالاب کے گرد چکر کاٹتا رہے۔"

وہ شخص مسافر کی یہ بات سُن کر حیران ہوا اور سوچنے لگا کہ اس کا کیا مطلب ہوا اور پیاس بجھانے کا یہ کون سا طریقہ ہے۔ اسے حیران دیکھ کر مسافر سمجھ گیا کہ اس شخص کو میری بات سے اطمینان نہیں ہوا۔ اس نے پھر کہا،

"میرا مطلب یہ ہے کہ پیاسا پانی کے چاروں طرف گھوم کر اپنی پیاس اِسی طرح بجھا سکتا ہے، جیسے حاجی کعبہ کے چاروں طرف طواف کرتے ہیں اور عبادت کا شوق پورا ہو جاتا ہے۔"

اس شخص کے سمجھ میں یہ بات آگئی اور اس نے اپنی ناسمجھی کو مان کر مسافر کی عقل مندی کی تعریف کی۔



# سُلطان صلاح الدین ایوّبی

میرزا ادیب

سلطان صلاح الدین ایوبی ایک بہت بہادر جرنیل ہی نہیں تھے، بڑے بلند حوصلہ انسان بھی تھے۔ اور تو اور، اگر ان کا کوئی دشمن بھی بہادری کا کام کرتا تھا تو اس کی بھی اتنی عزت کرتے تھے کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے۔ جس زمانے میں سلطان صلاح الدین بیت المقدس کے لیے عیسائیوں سے جنگ کر رہے تھے، اُن کے سپاہی ایک ایسے سردار کو پکڑ لائے جس کی شہرت دُور دُور تک پہنچ چکی تھی اور جس نے مسلمان فوج کو بڑا نقصان بھی پہنچایا تھا۔ سلطان نے عیسائی سردار کو عزت و احترام کے ساتھ پاس بٹھایا اور کہا، "تم اپنی فوج کے جرنیل ہو اور بہادر سپاہی بھی ہو، ہم تمھاری قدر کرتے ہیں، اس لیے تمھیں قید نہیں کریں گے، مگر شرط یہ ہے کہ دو دن کے اندر اندر پانچ ہزار کی رقم ہمارے خزانے میں جمع کر دو۔"

عیسائی سردار سلطان کے سلوک سے بڑا متاثر ہوا، مگر اس کے پاس اتنی رقم کہاں تھی کہ ادا کر کے رہا ہو جاتا۔ اُس نے سلطان سے کہا، کہ "چوں کہ وہ یہ رقم ادا کرنے کے قابل نہیں ہے، اس واسطے اُسے سزا دے دی جائے۔ وہ ہر سزا کے لیے تیار ہے!" سلطان نے اُس کی بات سُن کر کہا، "میں جانتا ہوں کہ تمھارے پاس اتنی رقم نہیں ہے، لیکن جب تک یہ رقم ہمارے خزانے میں جمع نہ ہو جائے

تمھاری رہائی ممکن نہیں ہے۔ تم یوں کرو کہ اپنی فوج میں چلے جاؤ اور دو دن تک یہ رقم حاصل کر کے واپس آجاؤ۔ جب تم یہ رقم ادا کر دو گے، آزاد ہو جاؤ گے۔"

عیسائی سردار کو اس بات سے بڑی حیرت ہوئی۔ بھلا کوئی شخص ایسا بھی ہو سکتا ہے، جو اپنے دشمن کو گرفتار کرنے کے بعد اُسے واپس اس کے لوگوں میں بھیج دے، لیکن سلطان صلاح الدین نے جو کچھ کہا تھا، اس پر پوری طرح عمل کر دیا۔ سلطان کے چند سپاہی اسی وقت عیسائی سردار کو اُس جگہ چھوڑ آئے، جہاں عیسائی سپاہی جمع تھے۔ ان سپاہیوں نے جب اپنے سردار کو آزادی کے ساتھ آتے دیکھا تو بے حد خوش ہوئے۔ انھیں کبھی خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ان کا سردار گرفتار ہونے کے بعد کبھی واپس بھی آسکتا ہے۔ عیسائی سردار نے کہا،

"میں آ تو گیا ہوں، مگر صرف دو دن کے لیے، دو دن کے اندر اندر پانچ ہزار رُپے جمع کر کے مجھے واپس چلے جانا ہے۔ یہ رقم سلطان کے حوالے کر کے ہی میں آزاد ہو سکتا ہوں، اس سے پہلے ہرگز نہیں۔" سپاہیوں نے اسے مذاق جانا۔ وہ سمجھتے تھے اُن کا سردار اب واپس نہیں جائے گا، اس لیے پانچ ہزار رُپے جمع کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، مگر وہ سردار وعدہ کر کے آیا تھا کہ دو دن کے بعد ضرور بالضرور لَوٹ آئے گا، اس لیے اس نے دوستوں کو رُپیہ جمع کرنے کی تاکید کر دی۔ یہ رقم کوئی بہت بڑی رقم نہیں تھی۔ عیسائی سردار کے دوست بڑی آسانی سے یہ رقم کیا، اس سے دُگنی رقم بھی جمع کر سکتے تھے، مگر وہ تو اس بات ہی کے خلاف تھے کہ اُن کا آدمی دوبارہ مسلمان سلطان کے پاس جائے، اس لیے انھوں نے رُپیہ جمع نہ کیا اور اُس کی طرف سے بالکل بے فکر ہو گئے۔

عیسائی سردار نے لاکھ کہا کہ وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا، لیکن کسی نے بھی اس کا خیال نہ کیا، دو دن گزر گئے، اُسے اپنے وعدے کے مطابق سلطان کے پاس پہنچ جانا چاہیے تھا، اس لیے وہ رقم کے بغیر ہی جانے پر تیار ہو گیا۔ اس کے سپاہیوں اور خاص طور پر اُس کے

دوستوں نے اسے بہت روکا اور کہا، "تم واپس جانے میں بڑی سخت غلطی کر رہے ہو"، مگر وہ نہ رُکا۔ کسی نہ کسی طرح اُسی جگہ پہنچ گیا، جہاں مسلمان فوجیں پھیلی ہوئی تھیں، جو سپاہی اُسے دو دن پہلے اس جگہ چھوڑ گئے تھے، اب وہیں کھڑے ہو کر اُس کا انتظار کر رہے تھے، کیوں کہ سلطان نے حکم دے رکھا تھا کہ عیسائی سردار کو بڑی عزت کے ساتھ لایا جائے اور فوراً شاہی خیمے میں پہنچا دیا جائے۔ عیسائی سردار سلطان کے خیمے میں پہنچ گیا۔ سلطان نے اس سے پوچھا،

"مجھے اُمید ہے تم رقم لے آئے ہو، میں بڑی خوشی سے ابھی تمھیں آزاد کر دوں گا!"

عیسائی سردار نے شرمندگی سے سر جھکا کر کہا، "مجھے افسوس ہے کہ میں یہ رقم حاصل نہیں کر سکا، اس لیے آپ جو سزا چاہیں، مجھے دے سکتے ہیں!"

سلطان کو بڑا افسوس ہوا اور انھوں نے کہا، "آج رات تم ہمارے مہمان رہو گے۔ صبح تمھارے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا!"

عیسائی سردار کو ایک شان دار خیمے میں پہنچا دیا گیا۔ اُس کی بڑی خاطر تواضع کی گئی۔ رات بھر اُسے نیند نہ آئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب تک تو سلطان نے ایسا سلوک کیا ہے، جس کا اُسے وہم و گمان بھی نہیں تھا، لیکن صبح اُس کے لیے کیا فیصلہ کیا جائے گا، ظاہر ہے وہ اُس کے دشمن لشکر کا ایک مشہور سردار ہے، اُسے جو سزا بھی دی جائے کم ہے!

صبح ہوئی تو سپاہی بڑے ادب سے اُس کے خیمے میں داخل ہوئے اور اُسے سلطان کے خیمے میں لے گئے۔ اس وقت سلطان تنہا نہیں تھے، بلکہ اُن کے ارد گرد کئی فوجی جرنیل بیٹھے تھے، سلطان نے اُسی طرح عزت و تکریم کے ساتھ اُسے پاس بٹھا لیا اور اپنے جرنیلوں سے مخاطب ہو کر بولے:

"یہ ایک بہادر جرنیل ہے۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ اپنے دوستوں سے پانچ ہزار کی رقم جمع کر کے لے آئے تو میں اسے آزاد کر دوں گا، مگر یہ بہادر جرنیل یہ رقم نہیں لا سکا۔ میں چاہتا ہوں

یہ رقم ہم جمع کر دیں۔ کیا آپ اس کے لیے تیار ہیں؟"

سلطان کے الفاظ سنتے ہی لوگ رُپیہ جمع کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے عیسائی سردار کے آگے رُپوں کا ایک ڈھیر لگ گیا۔ شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ رقم اس سے تین گُنی تھی، جتنی سلطان اُس سے طلب کر رہا تھا۔ جب یہ رقم جمع ہوگئی تو سُلطان نے عیسائی سردار سے مُسکرا کر کہا:

"تم ہمیں اپنا دوست سمجھتے ہو یا نہیں؟"

عیسائی سردار جو یہ سب کچھ دیکھ کر بڑا حیران ہو رہا تھا، بولا،

"آپ میرے دوست ہی نہیں بلکہ محسن ہیں۔"

سلطان بولا، "نہیں، ہم دوست ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے، اُسے ہماری طرف سے تحفہ سمجھو! یہ رقم اُٹھالو، یہ تمھاری ہے اور اسی وقت سے تم آزاد ہو!"

عیسائی سردار جو پہلے ہی حیران تھا، یہ الفاظ سُن کر اس قدر حیران ہوا کہ اُسے شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ ہی نہیں ملتے تھے۔ سلطان نے جس عزّت کے ساتھ اُسے پاس بٹھایا تھا اسی عزت سے اُسے رخصت بھی کر دیا۔

سلطان صلاح الدین کی یہی وہ فراخ دلی تھی، جس کی وجہ سے وہ سارے یورپ میں عزت کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے اور انصاف پسند عیسائی اب بھی اُن کی عزّت کرتے ہیں اور ہمیشہ کرتے رہیں گے۔

---

## لطیفہ

حامد: کہو بھائی انور! آج رات تمھارا کیا پروگرام ہے؟

انور: دیکھو! حامد میں رُپیہ اچھالتا ہوں اگر چاند آئے گا تو سینما چلیں گے اور اگر چھاپ آگیا تو نمائش کی سیر کریں گے اور اگر رُپیہ کنارے کے بل فرش پر کھڑا ہو گیا تو پڑھائی کریں گے۔

(سیّد اسد رضا۔ کراچی)

# "یاما یاما" اور مگرمچھ پکڑنے والا

(چیکو سلوویکیا) اوہرسک ہراڈسٹ کے اسکول آف اپلائیڈ آرٹس کے سابق پرنسپل جوزف ہالر چھ سال تک افریقہ میں یونیسکو کے ماہر کی حیثیت سے رہنے کے بعد حال ہی میں پراگ واپس آئے ہیں۔

مسٹر ہالر نے مصر، ٹیونیسیا اور گھانا میں ایک مصوّر کی حیثیت سے کام کیا۔ افریقہ کے بارے میں ان کے جو تاثرات ہیں وہ ان کی تصاویر سے واضح ہیں۔ اس مضمون میں مسٹر ہالر کے دل چسپ مشاہدات کا ایک لفظی خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔

افریقہ میں جنگلی درندوں کی تصاویر کھینچنے کے لیے شوقیہ فوٹوگرافر کو چڑیا خانے جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ کو جتنی تصاویر لینا ہوں وہ آپ ان قومی باغات اور ان مقامات سے حاصل کرسکتے ہیں، جہاں پر جنگلی درندوں کو بالکل فطری ماحول میں رکھ چھوڑا گیا ہے۔

میں حال ہی میں اپنے کیمرے سے ایک شیر کی تصویر کھینچنا چاہتا تھا۔ جب ہم لوگوں کی موٹر رک گئی تو ہم لوگوں نے بڑی احتیاط سے موٹر ہی کے اندر اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہوئے تصویریں لینا شروع کردیں۔ یہ شیر افریقہ کے تپتے ہوئے صحرا میں اطمینان سے سو رہا تھا۔ ہم لوگوں نے پہلے تو اسی حالت میں اس کی تصویریں کھینچنا شروع کردیں، لیکن ذرا ہی دیر بعد دل یہ چاہا کہ کچھ اور دل چسپ تصاویر کھینچی جائیں۔ چناں چہ ہم لوگ موٹر سے اُتر پڑے اور شیر کے قریب پہنچ گئے۔ وہ اسی طرح سے سوتا رہا۔ اسے ہم لوگوں کی موجودگی قطعی محسوس نہ ہوئی۔ آخرکار ہمارے چند ساتھیوں سے صبر نہ ہوسکا۔ مارے جوش کے انھوں نے طرح طرح سے شور و غل مچانا شروع کردیا۔ کبھی موٹر کا ہارن بجاتے اور کبھی پتھر پھینکتے۔ مقصد یہ تھا کہ شیر کسی طرح سے جاگ اُٹھے۔

خدا خدا کر کے شیر جاگا، پھر اس نے ایک لمبی سی انگڑائی لی اور جماہیاں لیتا ہوا خراماں خراماں روانہ ہوگیا۔ اس نے اپنے پرستاروں کی طرف مطلق کوئی توجہ نہ کی۔

افریقہ کے برِاعظم میں یہ کوئی ضروری نہیں کہ بڑے درندے ہی خطرناک ثابت ہوں۔ معمولی چیونٹے یا بالکل چھوٹے چھوٹے سانپ بھی بے حد دغاباز ہو سکتے ہیں۔ لیکن جتنی جانیں جنگل کے باقی تمام درندوں نے مِل کر ضائع کی ہیں، اس کی دوگنی ایک واحد جانور نے تباہ کی ہیں اور وہ جانور ہے مگرمچھ۔

ہر ایک مگرمچھ بدمعاش نہیں ہوتا۔ آپ نے ایسے متبرک مگرمچھوں کے قصّے بھی سنے ہوں گے، جو اتنے پالو ہو جاتے ہیں کہ خود اپنے آپ کھا بھی نہیں سکتے۔ اس قِسم کے مگرمچھ خود ہی اپنا مُنھ کھول دیتے ہیں، تاکہ لوگ ان کی تصویر کھینچ سکیں۔ لیکن شمالی گانا کے دریائے بُولگا کے قریب جو مگرمچھ رہتا تھا، وہ اتنا شریف نہ تھا۔ یہاں کے لوگ اسے اپنی زبان میں "یامایاما" کہتے تھے، جس کا مطلب ہے "بدمعاش مگرمچھ"۔ میرے ایک شکاری دوست مجھے "یامایاما" دکھانے لے گئے اور اپنے ہمراہ مگرمچھ پکڑنے والے آدمی کو بھی لیتے گئے۔

یہ مگرمچھ پکڑنے والا آدمی گاؤں والوں میں بے حد ہر دل عزیز ہے، کیوں کہ جہاں بھی خطرناک قِسم کے مگرمچھ دکھائی دیتے ہیں، یہ فورًا وہاں پہنچ جاتا ہے اور انھیں پکڑ لیتا ہے۔ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ یہ شخص جادو کے زور سے خود مگرمچھ بن جاتا ہے۔

مگرمچھ پکڑنے والا پہلے تو دریا یا جھیل کے کنارے کا جائزہ لیتا ہے اور پھر چند روز تک شام کو وہاں ٹہلتا رہتا ہے، تاکہ اپنے "جادو" کا انتظام کر سکے۔ اس کے بعد وہ اعلان کر دیتا ہے کہ اب میں ڈُبکی لگانے کے لیے تیار ہوں، تاکہ مگرمچھوں کے بادشاہ سے ملاقات کر دوں۔

اس کی روانگی سے پیشتر بڑی دھوم دھام سے جشن منایا جاتا ہے اور مغرب کے وقت تمام مقامی لوگ اس کے ہمراہ دریا کے کنارے تک جاتے ہیں۔ پھر جب

وہ پانی میں ڈبکی لگا لیتا ہے تو سب لوگ فوراً واپس لوٹ جاتے ہیں ورنہ جادو کا اثر نہیں ہوتا۔

سورج نکلنے کے بعد لوگ واپس آجاتے ہیں۔ اس وقت یہ جادوگر دریا کے اسی مقام سے برآمد ہوتا ہے، جہاں پر اُس نے ڈبکی لگائی تھی، پھر وہ گاؤں کے چار تگڑے آدمیوں کو چار رسّوں کے کونے پکڑا دیتا ہے۔ چاروں آدمی رسّوں کو پکڑ کر بڑے زور سے گھسیٹنے لگتے ہیں اور ذرا ہی دیر میں ایک زندہ مگرمچھ گٹھری بنا ہوا دریا کے باہر نکل آتا ہے۔ اس کے بعد مگرمچھ کو مار ڈالا جاتا ہے اور اس کا پیٹ چاک کر ڈالا جاتا ہے۔ اکثر اوقات اس کے پیٹ میں سے پیتل کا کڑا یا کوئی اور ایسا ہی زیور دستیاب ہو جاتا ہے، جو کبھی اس کے کسی شکار کی ملکیت رہا ہو گا۔

گاؤں کا ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ مگرمچھ پکڑنے والے نے اپنے جادو کے زور سے مگرمچھ کو پکڑ لیا ہے۔ خود مگرمچھ پکڑنے والے کو بھی اپنے جادو کا یقین ہے اور میں اپنی جگہ پر یہ سوچتا ہوں کہ بہرحال ہونا بھی یہی چاہیے۔ ہر شخص کو خود اپنی عدم موجودگی کے بارے میں یقین ہونا لازمی ہے، لیکن حقیقت جو کچھ ہے، اس کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے:۔

مگرمچھ پکڑنے والا غوطہ لگاتا ہے اور پانی کے نیچے پیرتے پیرتے چھپ جاتا ہے، پھر وہ کسی جھاڑی یا چٹان کی آڑ میں اس وقت تک محفوظ رہتا ہے جب تک کہ وہ بالکل تنہا نہ رہ جائے۔ اس کے بعد وہ اس مقام پر پہنچتا ہے، جہاں وہ گذشتہ کئی راتوں سے مگرمچھ کو پکڑنے کے لیے جال اور پھندے لگاتا رہا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہو گی کہ کنارے پر کہیں ایک جلتی ہوئی لالٹین اور کچھ گوشت کے لوتھڑے رکھ دیتا ہو گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی چھوٹے سے بندر کو کسی درخت کے تنے سے باندھ دیتا ہو۔

اس کارروائی کے بعد وہ جلتی ہوئی لالٹین کے پیچھے آرام سے لیٹ جاتا ہے اور یہ انتظار کرتا رہتا ہے کہ وہ بھدا جانور آہستہ آہستہ پانی سے برآمد ہو

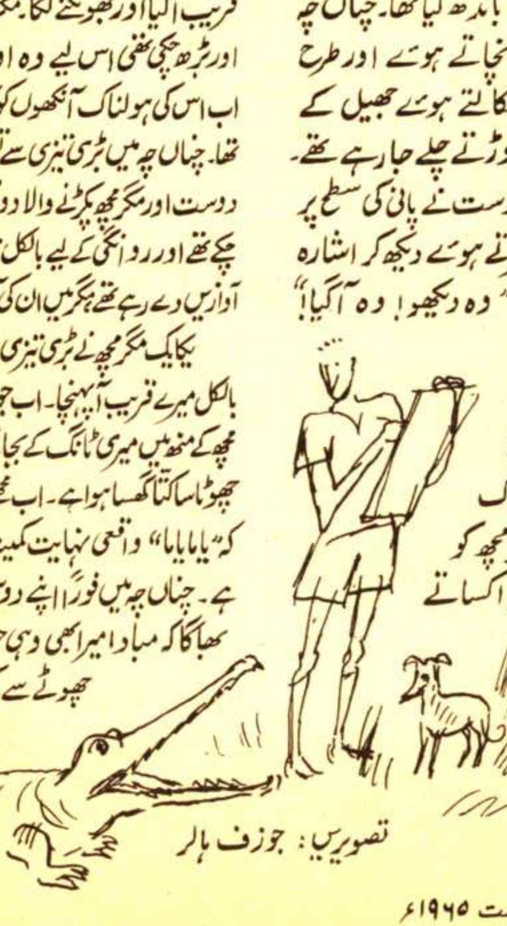
اور اپنی غذا کی طرف لپکے۔ جوں ہی مگرمچھ اپنی غذا کھانے کے لیے منھ کھولتا ہے، مگرمچھ پکڑنے والا نہایت پھرتی سے ایک نکیلی لکڑی اس کے کھلے ہوئے جبڑے میں ٹھونس دیتا ہے۔ مگرمچھ جبڑا بند کرنے کی جتنی جتنی جد وجہد کرتا ہے اتنی ہی وہ لکڑی اس کے جبڑے میں پیوست ہوتی چلی جاتی ہے۔ آخر کار یہ لکڑی اس قدر مضبوطی سے داخل ہوجاتی ہے کہ شکاری اپنے دونوں ہاتھوں سے اس لکڑی کو پکڑ کر مگرمچھ کو چاروں شانے چت گرا دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ رسیوں کے پھندے ڈال کر مگرمچھ کو خوب اچھی طرح سے جکڑ لیتا ہے۔ صرف مگرمچھ کا منھ باقی رہ جاتا ہے۔ اب وہ ایک آخری پھندا اس کے منھ پر پھینکتا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ نہایت تیزی سے اس لکڑی کو نکال لیتا ہے۔ چناں چہ مگرمچھ کا منھ بھی رسیوں سے جکڑ جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ جد وجہد کے تمام آثار مٹا دیتا ہے اور بندھے ہوئے مگرمچھ کو پانی میں ڈھکیل کر خود اسی جگہ چھپ جاتا ہے، جہاں گاؤں والوں نے اسے ڈبکی لگا کر غائب ہوتے دیکھا تھا اور گاؤں والوں کے آنے کا انتظار کرنے لگتا ہے۔



میں اپنے دوست اور مگرمچھ پکڑنے والے کے ہمراہ موٹر کار سے اس جھیل کے کنارے پہنچ گیا، جہاں پر مجھے "یامایاما" کو دیکھنا تھا۔ پانی کی سطح پر رنگ برنگی بھنبیریاں منڈلا رہی تھیں۔ قریب کی چٹانوں پر بڑے بڑے سارس بحث مباحثے میں مشغول تھے اور پانی میں ڈوبتے ہوئے سورج کی گلابی گلابی اور نیلی نیلی شعاعیں جھلملا رہی تھیں۔ چند دیہاتی لڑکیوں

نے بڑی لطافت سے اپنی اپنی مٹکیاں جھیل میں ڈال دیں اور پانی بھر کر نہایت آسانی سے انھیں سروں پر اٹھالیا۔ کچھ لڑکوں نے مگرمچھ کو اکسانے کے لیے ایک مینڈک کو ایک لمبی سی لکڑی کی نوک پر باندھ لیا تھا۔ چناں چہ وہ اس لکڑی کو نچاتے ہوئے اور طرح طرح کی آوازیں نکالتے ہوئے جھیل کے کنارے کنارے دوڑتے چلے جارہے تھے۔

اتنے میں میرے دوست نے پانی کی سطح پر کسی بڑی چیز کو تیرتے ہوئے دیکھ کر اشارہ کیا اور چیخ اٹھے، "وہ دیکھو! وہ آگیا!" اچانک وہ تیرتی ہوئی چیز کنارے آلگی۔ لڑکے چیختے چلاتے اور مینڈک کو نچاتے ہوئے مگرمچھ کو پانی کے باہر آنے پر اکساتے رہے۔ میں نے لپک کر اپنی خاکہ کھینچنے والی کتاب اٹھالی۔



مگرمچھ رینگتا ہوا کنارے پر آیا اور آتے ہی اس نے بڑی تیزی سے مینڈک کو ہڑپ کرلیا۔ میں فوراً اس درندے کی حرکات وسکنات کا خاکہ اُتارنے میں مشغول ہوگیا۔

گاؤں کا ایک چھوٹا سا کتا گھبرا کر میرے قریب آگیا اور بھونکنے لگا۔ مگرمچھ کی ہمت اب اور بڑھ چکی تھی اس لیے وہ اور قریب آگیا۔ میں اب اس کی ہولناک آنکھوں کو بھی بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ چناں چہ میں بڑی تیزی سے تصویر بنانے لگا۔ میرا دوست اور مگرمچھ پکڑنے والا دونوں موٹر کار پر بیٹھ چکے تھے اور روانگی کے لیے بالکل تیار تھے۔ وہ بار بار مجھے آوازیں دے رہے تھے مگر میں ان کی آوازیں بھی نہ سن سکا۔

یکایک مگرمچھ نے بڑی تیزی سے چند حرکتیں کیں اور بالکل میرے قریب آپہنچا۔ اب جو دیکھتا ہوں تو مگر مچھ کے منھ میں میری ٹانگ کے بجائے گاؤں کا وہ چھوٹا سا کتا گھسا ہوا ہے۔ اب مجھے بالکل یقین ہوگیا کہ "یامایاما" واقعی نہایت کمینہ اور بدمعاش جانور ہے۔ چناں چہ میں فوراً اپنے دوستوں کی طرف بھاگا کہ مبادا میرا بھی وہی حشر نہ ہو، جو اس چھوٹے سے کتے کا ہوا۔

(یونیسکو فیچر)

★

تصویریں: جوزف ہالر




# چھینکنا بندر کا

کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ اس کے پاس ایک بندر تھا۔ ایک دن کسان کی بیوی نے انڈے کا حلوہ بنایا۔ کسان اپنے کھیتوں میں کام کرنے گیا ہوا تھا۔ اس کی بیوی حلوہ پکا کر کنوئیں سے پانی بھرنے چلی گئی۔ بندر کے مُنہ میں حلوہ دیکھ کر پانی بھر آیا۔ میدان صاف تھا، کسان اور کسان کی بیوی دونوں گھر پر نہیں تھے۔ بندر ایک کاغذ میں حلوہ لے کر گھر سے بھاگا۔ حلوہ کھاتا جاتا تھا اور بھاگتا جاتا تھا۔ راستے میں ایک گڑھا آگیا۔ بندر حلوہ کھانے میں مشغول تھا، اس لیے اُس کو گڑھا دکھائی نہ دیا اور دھڑام سے گڑھے میں جا پڑا۔ جب ذرا ہوش آیا۔ تو اپنے آپ کو گڑھے میں پایا۔ کاغذ اس کے ہاتھ میں خالی تھا۔ حلوہ سب گر گیا تھا۔ اب اُس نے زور زور سے چیخنا شروع کیا۔ قریب سے ایک بیل گزر رہا تھا۔ اس نے جب چیخ پکار سنی تو گڑھے کے اندر جھانکا۔ بندر نے آہٹ سن کر جھٹ پٹ کاغذ منہ کے سامنے کر لیا، جیسے کہ کچھ پڑھ رہا ہو اور بولا، "دوستو سنو آج کا دن بہت منحوس ہے۔ جو بچنا چاہتا ہے، وہ اس پاک گڑھے میں پناہ لے۔" بیل نے حیران ہو کر کہا، "کون کہتا ہے کہ آج کا دن منحوس ہے؟" بندر بولا، "کیا تمھیں دکھائی نہیں دے رہا کہ میں آسمانی پیغام پڑھ کر یہ بات کہہ رہا ہوں اور اُس نے پھر

آواز لگائی کہ آج کا دن منحوس ہے دنیا تباہ ہوجائے گی۔" اس پر بیل بولا، "اچھا میں بھی اس گڑھے میں پناہ لیتا ہوں۔" بندر چلایا تم گندے ہو۔ ناپاک ہو۔ اس گڑھے میں نہیں آسکتے۔ بیل نے کہا، "نہیں نہیں بھائی مجھے بچاؤ۔" بندر بولا کہ تم چھینکو گے اور یہاں اس کی اجازت نہیں۔ بیل نے وعدہ کیا کہ میں کبھی نہیں چھینکوں گا۔ بندر نے کہا، "اچھا تو آجاؤ میرے پاس۔" بیل نے گڑھے میں چھلانگ لگادی۔ بندر نے پھر چیخنا شروع کردیا۔ "دوستو سنو۔ آج کا دن بڑا منحوس ہے، دنیا تباہ ہوجائے گی۔ قریب سے ایک شیر گزر رہا تھا۔ اس نے یہ سنا تو گڑھے میں جھانک کر کہا، "بھائی تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" بندر بولا، "آج سب تباہ ہوجائیں گے، دنیا ختم ہوجائے گی۔ صرف وہ زندہ بچیں گے، جو اس پاک گڑھے میں پناہ لیں گے۔" شیر نے کہا، "مجھے بھی اس گڑھے میں آنے کی اجازت دو۔" بندر بولا، "یہ پاک جگہ ہے یہاں چھینکنے کی اجازت نہیں۔ جو یہاں چھینکے گا، اسے گڑھے سے باہر نکال دیا جائے گا۔" شیر نے کہا، "مجھے یہ شرط منظور ہے۔" یہ کہہ کر شیر گڑھے میں کود پڑا۔ بندر

پھر کاغذ کو دیکھ کر اونچی آواز سے چلانے لگا "آج کا دن منحوس ہے ساری دنیا تباہ ہوجائے گی۔" اتنے میں ایک اونٹ وہاں سے گزر رہا تھا۔ اس نے آواز سنی گڑھے کے پاس آیا اور گھبرا کر بولا، "بھائیو تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟" شیر نے کہا، "کیا تمھیں معلوم نہیں آج کا دن بہت منحوس ہے، ساری دنیا تباہ ہوجائے گی۔ صرف یہ پاک گڑھا ہے، جو اس میں پناہ لے گا، وہ زندہ رہے گا۔ باقی سب تباہ برباد ہوجائیں گے۔" اونٹ نے کہا، "دوستو! مجھے بچاؤ۔ میں بھی اس پاک گڑھے میں کودتا ہوں، مگر بندر نے اس کو اجازت نہ دی اور کہا تم یہاں چھینکو گے اور یہ گڑھا ناپاک ہوجائے گا اور ہم سب تباہ ہوجائیں گے۔ اونٹ نے کہا، "بھائی میں وعدہ کرتا ہوں کبھی نہیں چھینکوں گا۔ خدا کے لیے مجھے اندر آنے کی اجازت دو۔" بندر نے کہا اچھا تمھیں اجازت ہے۔ آجاؤ۔ اونٹ خوش خوش گڑھے میں کود پڑا۔ بندر نے پھر بلند آواز سے کاغذ کو پڑھنا شروع کیا۔ آج کا دن بہت منحوس ہے، ساری دنیا تباہ برباد ہوجائے گی۔ جو یہاں اس گڑھے میں پناہ

چھینکنا بندر کا

لے گا وہ بچ جائے گا۔ اچانک چھینکنے کی آواز آئی سب جانور گھبرا گئے۔ شیر بولا، "کون منحوس یہاں چھینک رہا ہے؟" اونٹ بولا، "کوئی بھی نہیں چھینکا۔ دھوکا ہوا ہے"، اتنے میں پھر بندر نے زور زور سے چھینکنا شروع کر دیا۔ تمام جانور پریشان ہو گئے اور ایک دم چلائے، "بندر چھینک رہا ہے۔ اس کو فوراً باہر نکال دو۔ ہم پر بھی آفت نہ آجائے،

اگر یہ گڑھا ناپاک ہو گیا تو ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔ جلدی کرو۔ جلدی کرو اس بندر کو باہر نکال پھینکو"۔ سب نے چیخ پکار مچانا شروع کر دی اور بندر کو اٹھا کر گڑھے سے باہر پھینک دیا۔ اس طرح چالاک بندر خوش خوش گھر چلا گیا۔ تمام جانور گڑھے میں پریشان پڑے پڑے مر گئے۔ دیکھا! بچّو بندر کتنا چالاک ہے۔

---

# ایجاد اور موجد

انجم رشید بٹلہ

روزانہ ہمارے استعمال میں بہت سی چیزیں آتی ہیں۔ کیا اچھا ہو اگر ہم کو ان چیزوں کے بنانے والوں کے نام بھی معلوم ہو جائیں۔ اس لیے ہم آج یہاں کارآمد اور مفید ایجادات کے متعلق معلومات فراہم کر رہے ہیں:-

| ایجاد | موجد | ملک | سن ایجاد |
|---|---|---|---|
| ماچس | واکر | برطانیہ | ۱۸۲۷ |
| فونٹن پین | واٹرمین | امریکا | ۱۸۸۴ |
| ٹیلی فون | بیل | امریکا | ۱۸۷۶ |
| ٹائپ رائٹر | مسٹر ہوفر | آسٹریا | ۱۸۶۴ |
| بائیسکل | میکملن | اسکاٹ لینڈ | ۱۸۴۲ |
| گھنٹہ۔ گھڑی | ہائیجنز | ہالینڈ | ۱۶۵۷ |
| گراموفون | برلائنز | امریکا | ۱۸۸۷ |
| تھرمامیٹر | فارن ہیٹ | جرمنی | ۱۷۰۹ |
| لاؤڈ اسپیکر | رائز کیلوگ | امریکا | ۱۹۲۴ |
| غبارہ | مانٹگوفیر | فرانس | ۱۷۸۳ |

# بہادر لڑکا

تھوڑے دن پہلے کا ذکر ہے کہ آسٹریلیا کے ایک شہر میں جو سمندر کے کنارے آباد تھا، ایک چھوٹا سا خاندان سمندر کے کنارے رہتا تھا۔ یہ خاندان سمندر سے مچھلیاں پکڑتا اور بازار میں فروخت کر کے اپنی گزر بسر کیا کرتا تھا۔ اس خاندان کے بزرگ کا نام ڈاسن تھا۔ ڈاسن کے ایک لڑکا تھا، جس کا نام تھا رالی۔ رالی بڑا اچھا لڑکا تھا۔ صبح ہوتی تو منھ ہاتھ دھو کر اسکول چلا جاتا۔ اسکول سے واپس آ کر شام کو تھوڑی دیر کھیلتا اور پھر اپنا سبق یاد کرنے بیٹھ جاتا۔ کبھی کبھار اپنے باپ ڈاسن کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر مچھلیاں پکڑنے کے لیے بھی چلا جاتا۔ رالی کو سمندر میں غوطہ خوری کا شوق بھی تھا۔ اس نے ایک کتّا بھی پال رکھا تھا، جسے وہ پیار سے کِنگ کہتا تھا۔ کِنگ کو رالی نے بڑی اچھی تربیت دی تھی۔ پورے محلے کے کتّے کنگ سے ڈرتے تھے اور کیا مجال کبھی کوئی چور اُچکّا محلّے کا رُخ بھی کر لے۔ چالاک کِنگ آدمی کی خوشبو سے ہی اندازہ کر لیتا کہ کہیں یہ چور تو نہیں ہے اور اگر محلّے میں داخل ہونے والا کنگ کے خیال میں چور ہوتا تو وہ راستے ہی میں کاٹ کھاتا اور اتنی زور زور سے بھونکتا کہ محلے کے سارے آدمی اکٹھے ہو جاتے۔ اگر کوئی شریف آدمی محلّے میں داخل ہوتا تو کنگ اسے کچھ نہ کہتا۔ اس کے علاوہ جب رالی اسکول سے آتا تو کنگ رالی کا بستہ اپنے منھ میں دبا کر رالی کے ساتھ ساتھ چلتا۔ رالی بھی اُسے بہت چاہتا تھا۔ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا۔

ایک مرتبہ رالی کے اسکول میں چھٹیاں تھیں اور وہ اپنے باپ کے ساتھ صبح سویرے کشتی میں بیٹھ کر دور سمندر میں مچھلیاں پکڑنے چلا گیا اور کنگ کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ سمندر میں پہنچ کر رالی کو خیال آیا آج غوطہ خوری کی جائے۔ چناں چہ وہ غوطہ خوری کا لباس پہن کر سمندر میں کود پڑا۔ بے چارا کنگ کشتی پر

کھڑا اپنے مالک کو سمندر میں کودتے ہوئے دیکھتا رہا اور اُس وقت تک وہیں کھڑا رہا جب تک رالی سمندر سے نکل کر کشتی پر نہیں آگیا۔



ابھی رالی کشتی پر پہنچا ہی تھا کہ ایک بہت بڑا ہوائی جہاز شور مچاتا ہوا ساحل کی طرف چلا گیا۔ جہاز اتنا نیچے اڑ رہا تھا کہ کشتی پر ڈاسن اور رالی کو شک ہوا کہ شاید یہ جہاز خراب ہوگیا ہے اور گرنے ہی والا ہے۔ چناں چہ ڈاسن نے کشتی کا رُخ بھی ساحل کی طرف کردیا، تاکہ اگر جہاز کے آدمیوں کو کسی مدد کی ضرورت ہو تو وہ اُن کے کام آسکے۔



جہاز میں دراصل کوئی خرابی پیدا ہوگئی تھی، اس لیے جہاز قریب کے ہوائی اڈے پر اتر رہا تھا۔ پائیلٹ نے اعلان کیا کہ جہاز اب زمین پر اترنے والا ہے، اس لیے سب لوگ اپنی پیٹیاں کس لیں۔ ہوائی جہاز جب زمین سے اوپر اٹھتا ہے یا زمین کی طرف آتا ہے تو سب مسافر خود کو کرسیوں سے لگی ہوئی پیٹیوں سے باندھ لیتے ہیں، اسی لیے پائیلٹ نے یہ اعلان کیا تھا۔ پائیلٹ اعلان کے بعد جب یہ

دیکھنے کے لیے مسافروں کے پاس آیا کہ سب نے پٹیاں کس لی ہیں یا نہیں تو ہوائی جہاز کے ایک مسافر نے اُسے روک کر پوچھا کہ جہاز کیوں اتر رہا ہے؟ یہ مسافر دراصل آسٹریلیا کی فوج کا ایک افسر کرنل کونوے تھا، جو ایک خفیہ کام سے کہیں جا رہا تھا۔ پائیلٹ نے کرنل کونوے کو بتایا کہ ہوائی جہاز کی کچھ ضروری مرمّت کروانی ہے۔



جب جہاز اُتر گیا تو کرنل کونوے ہوائی اڈّے سے نکل کر بندرگاہ کی طرف آیا۔ کرنل کونوے کو یہ نہیں معلوم تھا کہ کوئی شخص اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ وہ جب ایک سنسان سی جگہ پر پہنچا تو اس کا پیچھا کرنے والے نے سوچا کہ یہ موقع بہت اچھا ہے۔

ادھر ڈاسن کی کشتی بھی ساحل کے قریب پہنچ گئی تھی اور ڈاسن اپنی کشتی پر کھڑا ہوا کہہ رہا تھا کہ وہ ہوائی جہاز تو بہت پہلے اتر گیا ہوگا۔ جیسے ہی ان کی کشتی ساحل سے لگی تو رالی نے کسی کو چیختے ہوئے سنا۔ بالکل ایسا لگا، جیسے کوئی شخص کسی مصیبت میں پھنسا ہوا ہو اور مدد کے لیے چیخ رہا ہے۔ چیخ کی آواز سن کر رالی مدد کے لیے دوڑ پڑا۔



رالی کے پیچھے پیچھے اُس کا کتا کنگ بھی تھا۔ وہ لوگ تھوڑی دور ہی پہنچے ہوں گے کہ اُنھیں سامنے ایک آدمی دوسرے آدمی پر حملہ کرتے ہوئے نظر آیا، لیکن جوں ہی وہ قریب پہنچے تو حملہ آور بھاگ گیا۔ رالی نے دوسرے آدمی کو سہارا دے کر اس کے گھر تک پہنچایا۔ یہ شخص کرنل کونوے تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد رالی کا کتا کنگ اپنے منھ میں پھٹے ہوئے اوور کوٹ کا ایک ٹکڑا اور ایک ہینڈ بیگ دبائے ہوئے اندر داخل ہوا۔ کرنل کونوے نے رالی کو بتایا کہ وہ لندن سے کچھ ضروری کاغذات لے کر روانہ ہوا تھا اور ہوسکتا ہے کہ یہ بدمعاش لندن ہی سے اس کے پیچھے لگا ہوا ہو۔ بہرحال اب اس بدمعاش کو پکڑنا ضروری ہے۔ چناں چہ رالی اور کرنل کونوے نے مل کر فیصلہ کیا کہ شام کو جب ہوائی جہاز کے اڑنے کا وقت ہوگا، اُس وقت ہم ہوائی جہاز کی نگرانی کریں گے۔ چناں چہ شام کو رالی اور کنگ کرنل کونوے کے ساتھ ہوائی اڈے پر پہنچ گئے۔ جہاز مرمت کے بعد دوبارہ اڑنے کے لیے بالکل تیار تھا۔ تمام مسافر جہاز میں سوار ہو رہے تھے۔



جب سب سوار ہو چکے تو سب سے آخر میں ایک شخص لمبا سا اوور کوٹ پہنے ہوئے جہاز کی طرف آیا۔ اس شخص کو دیکھتے ہی کنگ نے زور زور سے بھونکنا شروع کیا۔ رالی نے اُس آدمی کے پھٹے ہوئے کوٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کرنل کونوے کو بتایا یہی وہ بدمعاش ہے۔ پھر دونوں نے مل کر اُسے پکڑ لیا اور جہاز میں پولیس کی حفاظت میں بٹھا دیا۔ چلتے وقت کرنل کونوے نے رالی کا شکریہ ادا کیا۔

کچھ دن بعد رالی دوسرے اسکول میں شریک ہونے کے لیے ایک اور بڑے شہر



میں چلا گیا۔ ایک روز جب رالی اپنے ایک دوست کے ساتھ شہر میں تفریح کے لیے گھوم رہا تھا تو اُسے کرنل کونوے ایک کار میں بیٹھا ہوا نظر آیا۔ رالی کو دیکھتے ہی کرنل کونوے نے اسے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ آج تم میرے ساتھ چلو ہمیں ایک ضروری کام ہے۔

کرنل کونوے دونوں دوستوں کو ساتھ لے کر فوجی ہیڈ کوارٹر روانہ ہوگیا، جہاں کرنل کونوے کو بتایا گیا کہ آج ایک خفیہ راکٹ اڑانے کا تجربہ کیا جا رہا ہے۔ فوج کے افسروں نے ایک شخص بلیک کا بھی ذکر کیا اور بتایا کہ یہ شخص بلیک دشمن کا جاسوس ہے اور جس جگہ سے راکٹ چھوڑا جائے گا اُس کے قریب ہی جنگل میں بلیک نے ایک جھونپڑی بنا رکھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اُس کے گروہ کے تمام آدمی آج وہاں موجود ہوں، اس لیے آج انھیں سب کو گرفتار کرنا ضروری ہے۔



کرنل کونوے دوسرے سپاہیوں اور دونوں دوستوں کو لے کر اُس جنگل میں پہنچ گیا۔ کرنل نے فیصلہ کیا کہ وہ خود تمام سپاہیوں کے ساتھ جھونپڑی کے اندر جائے۔ رالی اور اس کا دوست جھونپڑی کے باہر کھڑے رہیں۔



وہ لوگ جیسے ہی اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں ایک میز کے گرد بلیک اور اس کے ساتھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ میز پر ایک لیمپ جل رہا ہے۔ بلیک نے ان لوگوں کو دیکھتے ہی لیمپ اٹھا کر دیوار کی طرف پھینک دیا، جس سے جھونپڑی میں آگ لگ گئی۔ بلیک بہت چالاک آدمی تھا۔ اُس نے اس موقع کو غنیمت جانا اور فوراً بھاگ کھڑا ہوا۔



بلیک جیسے ہی دروازے سے باہر نکلا رالی اور اُس کے دوست نے بلیک کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اس وقت تک پکڑے رہے، جب تک کہ کرنل کولنے نے آکر اُسے گرفتار نہیں کر لیا۔

دوسرے دن فوج کے دفتر میں رالی اور اُس کے دوست کو بلایا گیا، جہاں فوج کے سب سے بڑے افسر نے دونوں لڑکوں کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے ایک بہت بڑی سازش کو ختم کرنے میں فوج کی مدد کی ہے۔ ساتھ ہی دونوں کو بہت سا انعام بھی دیا گیا۔

# جنگل کا آدمی ۔ چمپانزی

مناظر صدیقی

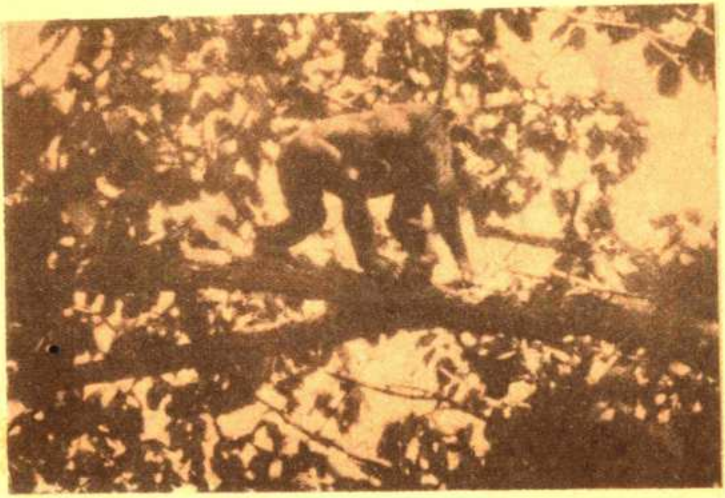


چمپانزی کو انجیر بہت پسند ہیں وہ انجیر کے ایک اونچے سے درخت پر بیٹھا ہوا مزے لے لے کر انجیر کھا رہا ہے

ڈُگ ڈُگ ڈُگ ڈُگ ۔ بندر والا آیا اور گلی کے سب بچے جمع ہو گئے ۔ چنو، منو، گڈو، رانی اور پپو نے بندر والے کو چاروں طرف سے گھیر لیا ۔ بندر والے نے ایک مرتبہ پھر ڈگڈگی بجائی اور بندر کا تماشہ شروع ہو گیا ۔

بندر بڑا ہوشیار جانور ہوتا ہے ۔ اپنے مالک کے ذرا سے اشارے پر بڑے پیارے پیارے کھیل دکھا کر بچوں کو ہنساتا ہے ۔ پاکستان، ہندُستان اور افریقہ میں بندر بہت پایا جاتا ہے ۔ افریقہ میں تو اس کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں ۔ ہندستان اور مشرقی پاکستان میں بھی اس کی دو تین قسمیں ہوتی ہیں، لیکن افریقہ کے بندر ہندستان اور پاکستان کے بندروں کے مقابلے میں بہت بڑے بھی ہوتے ہیں اور وہاں ان کی قسمیں بھی بہت زیادہ ہوتی ہیں، جن میں گوریلا اور چمپانزی بہت مشہور ہیں ۔

چمپانزی بہت عقل مند ہوتا ہے ۔ اسے انسان آسانی سے تربیت دے سکتا ہے اور اپنے مقصد کے لیے استعمال کر لیتا ہے ۔ امریکا میں اسی قسم کا ایک بندر فلموں میں بھی کام کرتا ہے ۔ اس بندر کے مالک کو امریکا میں فلم بنانے والے معاوضے کے طور پر بہت بڑی



چمپانزی پھلوں کی تلاش میں درختوں پر چڑھا ہوا ہے ۔



چمپانزی رات کے وقت درختوں کی موٹی موٹی شاخوں کے بیچ میں آرام کرتے ہیں۔

★

بڑی رقمیں دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ یہ بندر ہندستان بھی گیا تھا اور وہاں کی ایک فلم میں بھی عام انسانوں کی طرح اس بندر نے اداکاری کی تھی۔

تم نے جغرافیہ کی کتاب میں خط استوا کے بارے میں ضرور پڑھا ہوگا اور تمھیں یہ بھی معلوم ہوگا خط استوا جن جن علاقوں سے گزرتا ہے، وہاں بہت سخت گرمی پڑتی ہے۔ افریقہ میں جس علاقے سے خط استوا گزرتا ہے وہاں صرف گرمی ہی بہت زیادہ نہیں پڑتی، بلکہ بڑے بڑے اور گھنے جنگل بھی ہیں۔ ان جنگلوں میں جو درخت ہیں وہ دو دو سو فٹ کے قریب اونچے ہیں۔ ان ہی جنگلوں میں چمپانزی قسم کے بندر بڑی کثرت سے ملتے ہیں۔ یہاں چمپانزی بندروں کی دو تین قسمیں ملتی ہیں۔ ایک قسم کانگو کے مغربی علاقے میں بکثرت ملتی ہے تو دوسری مغربی افریقہ میں اور تیسری قسم وسطی افریقہ کے برساتی جنگلوں میں بڑی کثرت سے ملتی ہے۔ یوگنڈا میں ایک بہت مشہور جنگل ہے، جسے بڈونگو کہتے ہیں۔ اس جنگل میں بھی چمپانزی بندر بڑی کثرت سے ملتے ہیں۔

چمپانزی بندر جب پوری طرح جوان ہو جاتا ہے تو مادہ کا وزن تقریباً ۹۰ پونڈ یعنی ایک من سے بھی زیادہ ہوتا ہے اور نر کا وزن ۱۱۰ پونڈ کے قریب، یعنی تقریباً سوا من سے زیادہ ہوتا ہے۔ یہ بندر عام طور سے درختوں کے پھل، پتے۔ نرم پودے، انگور کی بیلیں اور درختوں کے نرم تنے کھاتے ہیں۔



نر چمپانزی چھلانگیں لگاتا ہوا دوڑ رہا ہے

موسمِ بہار میں جب درختوں کی



چمپانزی چاروں پیروں سے بھی دوڑتا ہے

ڈالیاں پھلوں سے لدی ہوتی ہیں تو یہ دن بھر اونچے درختوں پر چڑھے رہتے ہیں اور غذا کی تلاش میں ایک درخت سے دوسرے درخت پر اُچکتے رہتے ہیں۔ اکثر چمپانزی زمین سے ۱۲۰ فیٹ سے لے کر ۱۸۰ فیٹ کی بلندی پر ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگ لگاتے ہیں۔ پھلوں کی تلاش میں چوں کہ۔



چمپانزی دو پیروں سے دوڑ رہا ہے
کبھی کبھی اپنا اگلا ہاتھ بھی زمین سے ٹکا دیتا ہے



چمپانزی درخت کی ایک پتلی سی ٹہنی سے صرف ایک ہاتھ سے جھول رہا ہے۔

★

انھیں درختوں کی چوٹیوں پر چڑھنا پڑتا ہے جہاں درختوں کی پتلی پتلی ٹہنیاں اس قابل نہیں ہوتیں کہ ان کا بوجھ سنبھال سکیں، اس لیے قدرت نے بچاؤ کے لیے اپنا بوجھ خود سہارنے کی بڑی صلاحیت دی ہے۔

بندر تو یوں بھی درختوں کی ٹہنیوں پر آسانی سے جھول سکتے ہیں، لیکن چمپانزی بندر ایک اچھی موٹی شاخ پر کئی کئی منٹ تک صرف ایک ہاتھ سے لٹک سکتا ہے اور دوسرے ہاتھ سے آسانی سے پھل توڑ توڑ کر بڑے مزے لے کر کھاتا ہے۔

جب بہار کا موسم گزر جاتا ہے اور درختوں پر پھل ختم ہو جاتے ہیں تو یہ چالاک بندر زمین پر اُتر آتا ہے۔ یوں تو زمین پر یہ اپنے چاروں پیروں سے بھی چلتا ہے، لیکن زیادہ تر انسان کی طرح دو پیروں سے آسانی کے ساتھ چل سکتا ہے۔ اسی لیے افریقہ والے اس کو "جنگل کا آدمی"، یا بن مانس کہتے ہیں۔ یوں بھی اس کی بہت سی باتیں انسانوں سے ملتی جلتی ہیں۔

زمین کے علاوہ بھی جب یہ اونچے اونچے درختوں پر چڑھا ہوا ہوتا ہے تو

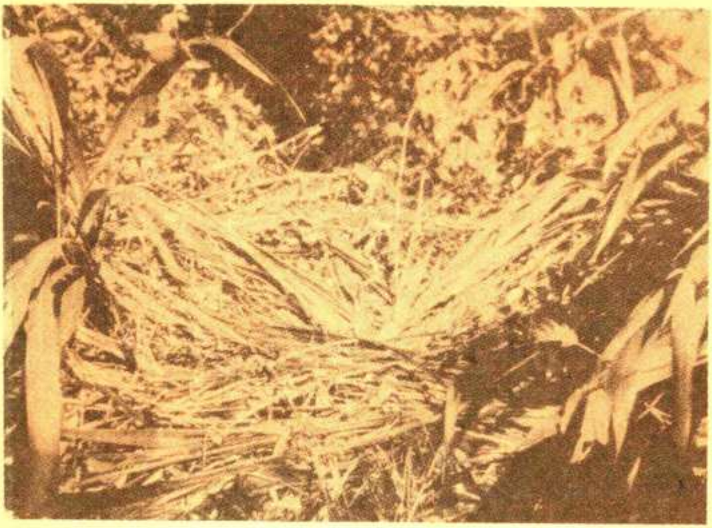
بھی درختوں کی شاخوں پر صرف دو پیروں سے بڑی آسانی سے چلتا ہے۔

چمپانزی بندر بڑا ہونے کے بعد بالکل انسانوں کی طرح چھ سے آٹھ گھنٹے تک غذا کی تلاش میں مصروف رہتا ہے۔ یہاں ہم ایک بات بتا دیں کہ اِنسانوں کو بھی چوبیس گھنٹے میں سے صرف چھ یا آٹھ گھنٹے روزی حاصل کرنے کے لیے صرف کرنے پڑتے ہیں، البتہ ایک بات ضرور ہے کہ جس طرح ہم انسانوں میں پورے گھر میں صِرف ایک آدمی کماتا ہے اور باقی سب کھاتے ہیں۔ اس طرح ان بندروں میں اس اصول پر عمل نہیں ہوتا۔ صرف ان بندروں کے بچے اپنی اپنی ماؤں کے پیٹ یا پیٹھ سے چپکے رہتے ہیں اور اپنی ماؤں کی غذا میں سے حصّہ بٹا لیتے ہیں باقی تمام جوان اور بوڑھے بندر اپنی اپنی غذا خود تلاش کرتے ہیں۔

مادہ چمپانزی اپنے بچوں کو اپنے پیٹ سے چپکا کر یا پیٹھ پر لاد کر درختوں پر چڑھتی ہے اور ایک درخت سے



مادہ چمپانزی اپنے بچے کو پیٹ سے چپکاتے ہوتے درختوں پر سے چھلانگ لگاتی ہے۔



کبھی کبھی جب چمپانزی زمین پر رات گزارتا ہے تو اپنی آرام کی جگہ کو گھاس پھوس بچھا کر نرم بستر کی طرح بنا لیتا ہے ۔ یہ تصویر چمپانزی کے ایک ایسے ہی بستر کی ہے

دوسرے درخت پر چھلانگ لگاتی ہے۔

ان میں جو بندر قد میں دوسرے بندروں سے بڑا ہوتا ہے وہ زیادہ غذا فراہم کرتا ہے اور دوسرے بندروں کو بھی اُس میں شریک کر لیتا ہے۔

چمپانزی غول یا جھنڈ کی صورت میں بہت کم رہتے ہیں اور اگر کبھی ان کا غول نظر بھی آتا ہے تو اُن میں یا تو بندروں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے یا زیادہ بھی ہوتی ہے تو اس طرح کہ نر چمپانزی کا ایک غول ہوتا ہے تو مادہ اور بچوں کا دوسرا غول۔ جب بہت سے چمپانزی بندر ایک ہی درخت پر جمع ہو جاتے ہیں اور اس درخت کے پھل چٹ کر جاتے ہیں تو دوسرے درخت پر جانے کے لیے ان میں کا سب سے بڑا بندر پہل کرتا ہے۔ دوسرے بندر اس کے پیچھے پیچھے چھلانگ لگاتے ہیں۔

نر چمپانزی عام طور پر چھ یا سات سال کی عمر میں جوان ہو جاتا ہے

اور مادہ چمپانزی سات سال سے لے کر دس سال کی عمر کے درمیان جوان ہوتی ہے۔ بچے کی عمر جب تک دو سال کی ہوتی ہے، اُس وقت تک وہ اپنی ماں کا دودھ پیتا رہتا ہے۔ البتہ جب چمپانزی کا بچہ دو سال کا ہو جاتا ہے تو درختوں کی ٹہنیوں سے اپنا پیٹ بھرنے لگتا ہے۔

مادہ چمپانزی اپنے بچے کا بہت خیال رکھتی ہے۔ جب بچے کی عمر دو سال سے زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ اُسے درختوں پر چھلانگ لگانا سکھاتی ہے اور اس کے لیے کبھی تو وہ اپنے بچے کو گھور گھور کر دیکھتی ہے اور کبھی بچے کی طرف اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیتی ہے، جسے دیکھ کر بچہ بھی اُچک کر اپنی ماں کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ جب تک بچے کو چھلانگ لگانا نہیں آتی اُس وقت تک مادہ چمپانزی دو درختوں کی ڈالیاں ایک دوسرے سے ملا کر ایک درخت سے دوسرے درخت تک ایک پُل سا بنا دیتی ہے، جس پر سے اُس کا بچہ آسانی کے ساتھ گزر جاتا ہے۔

جب چمپانزی کو نیند آنے لگتی ہے تو یہ جنگلی جانوروں سے بچنے اور انسان کی طرح نرم نرم بستر کا مزہ لینے کے لیے درختوں کی اونچی اونچی شاخوں کے درمیان ایک نرم گھونسلہ سا بنا لیتا ہے۔ کبھی کبھی یہ گھونسلہ یا مکان زمین پر بھی ہوتا ہے، لیکن چمپانزی زیادہ تر درختوں کی اونچی شاخوں پر ہی آرام کرنا زیادہ پسند کرتا ہے، جہاں اسے جنگلی درندوں کا خوف نہیں رہتا۔

اپنا مکان بنانے کے لیے چمپانزی پہلے تو مناسب جگہ تلاش کرتا ہے، پھر مضبوط ٹہنیوں کو توڑ کر اس طرح تلے اوپر رکھ دیتا ہے کہ اچھا خاصا پلنگ بن جائے۔ پھر درختوں سے پتے توڑ توڑ کر اُن ٹہنیوں پر بچھا دیتا ہے۔ اس طرح اس کے لیے بڑا نرم و نازک بستر تیار ہو جاتا ہے، جس پر وہ جی کھول کر نیند کے مزے لوٹتا ہے۔

چمپانزی کو یہ خطرہ رہتا ہے کہ کہیں کوئی جنگلی درندہ یا کوئی شکاری اس کی نیند سے فائدہ اٹھا کر اس کی جان نہ لے لے اس لیے وہ روزانہ اپنے مکان بدلتا رہتا ہے۔ کبھی ایک جگہ دو

راتیں نہیں گزارتا۔ ہر روز نیا مکان بنالیتا ہے۔ روزانہ غذا کی تلاش میں یہ ایک علاقے سے دوسرے علاقے کا سفر کرتا رہتا ہے، لیکن جنگل کے ایک خاص علاقے سے نکل کر باہر نہیں جاتا۔ اسی طرح سال بھر گھوم پھر کر اپنا پیٹ بھرتا رہتا ہے۔

افریقہ کے رہنے والے ان بڑے بڑے بندروں سے بالکل نہیں گھبراتے، بلکہ ان کو وہ اپنے پڑوسیوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ پھر یہ پڑوسی بھی اتنے اچھے ہوتے ہیں کہ جنگلوں میں انسانوں کے گزرنے کا نہ تو بُرا مانتے ہیں اور نہ انسانوں سے ڈرتے ہیں۔

یوگنڈا میں اب یہ نسل بہت کم ہوتی جارہی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ یوگنڈا کی حکومت نے عمارتی لکڑی کے جنگل لگانے کے عام درختوں میں کیڑا لگنے والی دوائیں چھڑکوادی تھیں، جس کی وجہ سے بندروں کی غذا ملنا بند ہوگئی تھی۔ پھر حکومت کو خیال آیا تو انھوں نے چمپانزی کے شکار کی ممانعت کردی۔ پھر بھی ان کی تعداد اب یوگنڈا کے جنگلوں میں بہت کم رہ گئی ہے۔ اب وہاں کی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ ان درختوں پر کیڑے لگنے والی دوا نہ چھڑکوائی جائے، جن سے ان بندروں کو غذا ملتی ہے۔ اس طرح یوگنڈا میں چمپانزی بندر کی نسل بچنے کی امید ہوچلی ہے۔

---

# ہنسو گے تو نہیں

منا :- دوڑا ہوا آیا امی سے آکر کہنے لگا کہ امی اچار کے مٹکے میں چوہا پڑا ہے۔
امی بولیں: بیٹا تم نے اسے باہر نکال دیا؟
منا بولا: نہیں امی! میں نے اس میں بلی ڈال دی ہے۔

طاہر نظامی - لائل پور

---

پہلا: آج تم نے سوتے وقت گھڑی کا الارم نہیں لگایا۔
دوسرا: ارے بھائی آج میں نے مُرغ کھایا ہے جب وہ پیٹ میں اذان دے گا تو میری آنکھ کھل جائے گی۔

محمد ارشد - کراچی

# ہنسو اور خوش رہو

سلیم یوسفی

## حلوہ



ایک دفعہ ملّا نصر الدّین شیراز گئے۔ ایک دکان پر تازہ تازہ گرم حلوہ بک رہا تھا۔ ملّا صاحب نے پاس کھڑے ہو کر بڑے اطمینان سے حلوہ کھانا شروع کر دیا۔ حلوائی نے ٹوکا بھی، مگر وہ نہ ہٹے۔ حلوائی اندر سے ایک ڈنڈا اٹھا لایا اور ملّا صاحب کی تواضع شروع کر دی، مگر آپ پھر بھی نہ ہٹے بلکہ تیزی سے حلوہ کھانے لگے۔ ادھر ڈنڈے کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔ جب آپ سیر ہو گئے تو کہنے لگے، بھئی! خدا کی قسم۔ شیراز کے لوگ کتنے متواضع اور مہمان نواز ہیں۔ غریبوں کو ڈنڈے مار مار کر حلوہ کھانے پر مجبور کرتے ہیں۔ الحمد للہ!

## ملّا کا فیصلہ



دو شخص ایک رُپے پر جھگڑا کر رہے تھے۔ اتفاق سے ملّا صاحب وہاں سے گزرے۔ دونوں نے ملّا صاحب کو منصف ٹھیرایا۔ ملّا صاحب نے کہا کہ پہلے قسم کھاؤ کہ جو فیصلہ میں کروں گا وہ تمھیں منظور ہو گا۔ ان کے قسم کھانے پر ملّا صاحب نے رُپیہ اپنی جیب میں ڈال لیا اور کہا فی الحال میں تم دونوں سے زیادہ مستحق ہوں اور میرا فیصلہ اٹل ہے۔



## بے وجہ رسوائی

ایک بار ایک قرض خواہ نے ملّا صاحب کو بازار میں روک لیا۔ ملّا کے ذمّے باون رُپے قرض تھے۔ قرض خواہ شور مچانے لگا۔ ملّا نے کہا ٹھہرو، ٹھہرو، ذرا میری بات سنو۔ میں ابھی حساب بے باق کیے دیتا ہوں۔ بتاؤ کتنے رُپے دینے ہیں تمھارے؟ باون۔ اچھا، اٹھائیس رُپے میں کل دے دوں گا، بیس پرسوں دوں گا، باقی کتنے رہے۔ قرض خواہ نے کہا چار رُپے۔ اس پر ملّا نے بلند آواز سے کہنا شروع کیا۔ عجیب بے لحاظ آدمی ہو، صرف چار رُپے کے لیے بازار میں جھگڑا کر رہے ہو۔ چار رُپے کی بھلا حقیقت ہی کیا ہے۔

## رونے کی وجہ

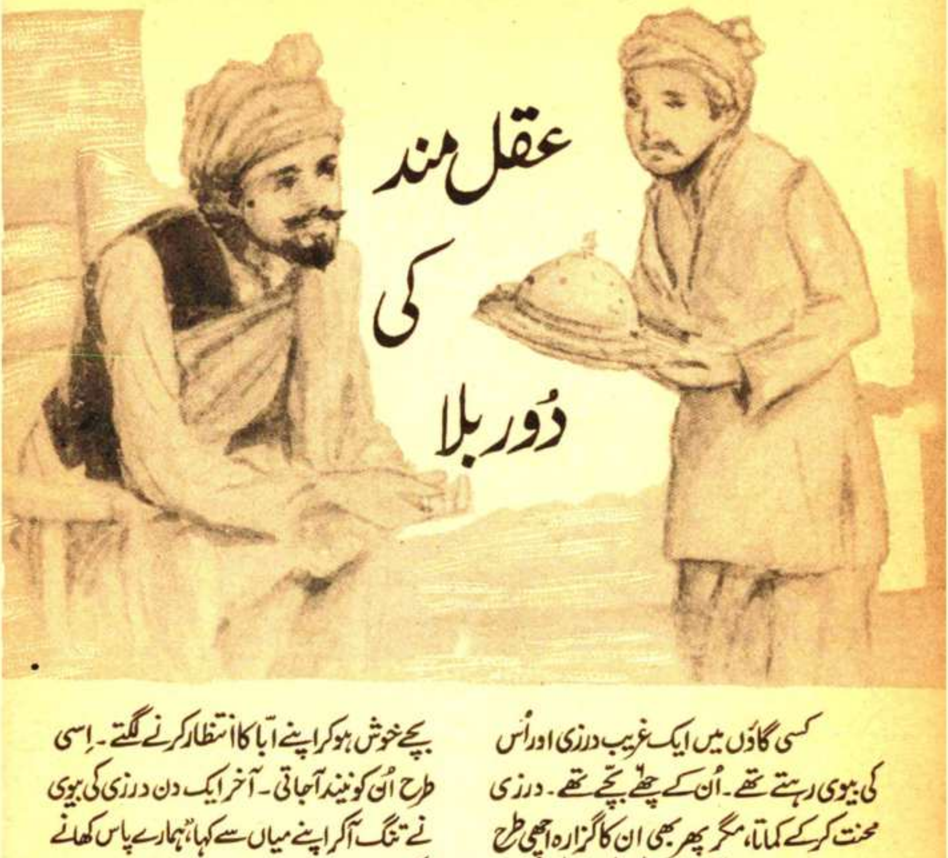


ایک دفعہ ملّا صاحب ایک امیر آدمی کے جنازے کے ساتھ جا رہے تھے اور زار و قطار رو رہے تھے۔ ایک شخص نے انھیں تسلّی دی اور کہا، بھائی جو ہونا تھا وہ ہو چکا اب صبر کرو۔ مگر ملّا صاحب کے آنسو تھمنے میں نہ آتے تھے۔ اُس شخص نے پوچھا "مرحوم سے آپ کا کوئی قریبی رشتہ ہوگا؟"

ملّا نے کہا، "میرا ان سے کوئی رشتہ نہ تھا۔"

ساتھی نے پوچھا، "تو پھر رونا کس بات کا؟"

ملّا نے کہا، "رونا تو اسی بات کا ہے کہ میرا اس سے رشتہ نہ تھا۔ اگر ہوتا تو اس کی جائیداد سے مجھے بھی حصّہ ملتا۔



# عقل مند کی دُور بلا

کسی گاؤں میں ایک غریب درزی اور اُس کی بیوی رہتے تھے۔ اُن کے چھے بچے تھے۔ درزی محنت کر کے کماتا، مگر پھر بھی ان کا گزارہ اچھی طرح نہ ہوتا۔ ان کے رہنے کی ایک ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی تھی۔ جب ان کے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہوتا تو درزی کی بیوی، بچوں کو کہانیاں سُناتی اور بہلا پھُسلا کر سُلاتی اور کبھی ایسا بھی ہوتا، بچے بھوک سے بیتاب ہو جاتے، وہ اُن کو کہتی، ابھی تمھارے ابا آتے ہوں گے، وہ آٹا دال لائیں گے۔ ابھی ہم پکائیں گے۔

بچے خوش ہو کر اپنے ابا کا انتظار کرنے لگتے۔ اِسی طرح اُن کو نیند آجاتی۔ آخر ایک دن درزی کی بیوی نے تنگ آکر اپنے میاں سے کہا، "ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں۔ نہ سامان ہے کہ بیچ کر لائیں، صرف گھر میں ایک مرغی ہے۔ آج ہم مرغی کو ذبح کر کے پکاتے ہیں، تم اسے لے کر زمیندار صاحب کے پاس جاؤ اور اُن کو تحفے کے طور پر پیش کرو، شاید ہماری قسمت سے کچھ مل جائے۔" درزی نے اپنی بیوی کی بات مان لی اور اللہ کا نام لے کر مرغی کو

ذبح کیا اور بیوی نے خوب مرچ مسالے ڈال کر پکائی۔ اپنے ہمسائے کے ہاں سے ایک طشت لیا اور اُس میں رکھ کر درزی کو دی۔ درزی مرغی لے کر زمیندار صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ زمیندار کو جُھک کر سلام کیا اور کہا، "حضور، آپ کا اقبال بلند ہو۔ میں آپ کی خدمت میں ایک ناچیز تحفہ لایا ہوں، اسے مہربانی فرما کر قبول فرمائیں۔"

"بڑی اُمید کے ساتھ بندہ جناب عالی کی خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ اُمید ہے آپ اس ناچیز تحفے کو قبول فرمائیں گے۔" زمیندار بہت نیک اور رحم دل تھا۔ اپنی رعایا کا بہت خیال رکھتا تھا۔ جس وقت اُس نے درزی کی بات سُنی وہ بہت خوش ہوا اور اُس نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ غریب شخص ہے، اس کا دل نہیں توڑنا چاہیے۔

زمیندار نے درزی سے کہا، "ہم بہت خوش ہوئے ہیں کہ ہماری رعایا ہم سے محبت کرتی ہے اور تم نے ہمارا اتنا خیال کیا کہ تحفہ لائے، مگر ہم چھے آدمی کھانے والے ہیں۔ ایک میں ہوں۔ ایک بیوی، دو بیٹے ہیں اور دو بیٹیاں ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح بانٹوں۔ تم خود ہی اپنے ہاتھ سے بانٹ دو۔"

درزی بہت عقل مند تھا۔ اس نے زمیندار کی بات سُن کر کہا، "حضور کا حکم سر آنکھوں پر، یہ کون سا مشکل کام ہے۔ بندہ ابھی بانٹ دیتا ہے۔"

سب سے پہلے اُس نے مرغی کا سر کاٹا اور زمیندار کو پیش کرتے ہوئے بولا، "حضور، آپ اس گاؤں کے سرتاج ہیں، اس لیے آپ کے حصے میں یہ سَر پیش ہے۔" پھر اُس نے مرغی کی گردن کاٹی اور اُسے زمیندار کی بیگم کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا، "بیگم صاحب، آپ اس خاندان کی گردن ہیں، اس لیے یہ آپ کا حصہ ہے۔" پھر اُس نے مرغی کی دونوں ٹانگیں کاٹیں، ایک ایک ٹانگ دونوں بیٹوں کو پیش کرتے ہوئے بولا، "آپ دونوں اپنے ماں باپ کا سہارا ہیں، اس لیے ٹانگیں آپ دونوں کا حصہ ہے۔" پھر اُس نے مرغی کے دونوں بازو کاٹے اور ایک ایک بازو دونوں بیٹیوں کو پیش کرتے ہوئے بولا کہ "بیٹیاں پرائی دولت ہوتی ہیں اور یہ اُڑ کر دوسرے گھر جاتی ہیں، اس لیے ان بازوؤں کو آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔" باقی جو گوشت بچا، وہ درزی نے کہا، "حضور عالی یہ حصّہ میرا ہے۔"

زمیندار درزی کی عقل مندی سے بہت خوش ہوا۔ اس نے اپنے ملازم سے کہا، "منیم جی کو بلاؤ۔" فوراً ملازم منیم جی کو بُلا کر لایا۔ زمیندار صاحب نے منیم جی کو حکم دیا کہ اس درزی کو پانچ سو رُپلے اور چھ بیگھے زمین انعام میں دے

دی جائے۔ درزی زمیندار کو سلام کر کے خوش خوش گھر آیا۔ درزی کی بیوی رُپے اور زمین کو سُن کر بہت خوش ہوئی۔ دونوں میاں بیوی عقل مند تھے۔ انھوں نے اس رُپے کو سمجھ سوچ کر خرچ کیا، کچھ رُپے کے ہل بیل خریدے، محنت سے کھیتی باڑی کرنے لگا اور اپنے بچوں کو خوب پڑھا لکھا کر قابل بنا دیا اور اس عقل مندی کی بدولت خوب چین آرام سے سب کی زندگی بسر ہونے لگی۔ سچ ہے عقل مند کی دُور بلا۔

---

# کنگرو بچّہ

کنگرو آسٹریلیا کا ایک دل چسپ جانور ہوتا ہے۔ پیدائش کے وقت اس کے بچّے ماں کے مقابلے میں بہت ہی چھوٹے ہوتے ہیں۔ کسی اور جانور کے بچّے اتنے چھوٹے نہیں ہوتے۔ کنگرو مادہ کا قد چھ فیٹ کے قریب اور وزن دو سو پونڈ تک ہوتا ہے۔ ایک وقت میں اُس کے عام طور پر صرف ایک بچّہ پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کی لمبائی ایک انچ اور وزن صرف بیس گرین کے قریب ہوتا ہے، یعنی ایک پونڈ کا چوبیسواں حصّہ!

پیدائش کے وقت کنگرو بچّہ اندھا ہوتا ہے۔ اُس کے بدن پر بال بھی نہیں ہوتے۔ صرف دو پنجے ہوتے ہیں جن سے وہ کسی حد تک اپنی حفاظت کرتا ہے۔ پچھلی ٹانگیں اگلی ٹانگوں جیسی مضبوط نہیں ہوتیں۔ اس کی ماں کے پیٹ پر ایک بڑی سی نرم و گرم تھیلی موجود ہوتی ہے بچّہ رینگ کر اس میں بیٹھ جاتا ہے۔ وہیں اُسے دُودھ مل جاتا ہے، لیکن اُس میں چُوسنے کی قوت نہیں ہوتی۔

اُس کی ماں کسی طرح اُس کے منھ میں دودھ چڑھاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ غذا کھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ بچّہ اس تھیلی میں کئی مہینے گزارتا ہے۔ اُس کا وزن دس پونڈ تک پہنچ جاتا ہے اور بدن پر اچھا خاصا سمور اُگ آتا ہے۔ اب وہ کبھی کبھی اپنے اس گھر سے نکل کر گھاس کی ایک دو پتیاں کھانا شروع کرتا ہے۔ زندگی بھر گھاس ہی اُس کی غذا رہتی ہے جیسے ہی اُسے ڈر لگتا ہے، وہ کود کر پھر ماں کی گود میں پہنچ جاتا ہے۔ تقریباً ایک سال کی عمر میں وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاتا ہے۔

---




# قدرت کی دانائی

حبیب کیفوی

بہت عرصہ گزرا چین کے ایک اعلا تعلیم کے مدرسے میں "ہوانگ" نام کا ایک بہت بڑا عالم فاضل پروفیسر تعلیم دیا کرتا تھا۔ ملک کے ہر حصے سے لڑکے آکر اس مدرسے میں داخل ہوتے اور تعلیم حاصل کر کے بڑے بڑے عہدے حاصل کرتے۔ ہزاروں لڑکوں نے اس سے تعلیم حاصل کی تھی اور ملک میں اس کی بڑی عزت کی جاتی تھی۔ بادشاہ کے دربار میں بھی اس کی بڑی آؤبھگت ہوتی۔ وہ شہر میں جس طرف نکل جاتا لوگ اٹھ کر اسے سلام کرتے۔ جب وہ صبح مدرسے میں جاتا اور دوپہر کو واپس گھر آتا تو کئی ملازم اس کی سواری کے آگے پیچھے چلتے۔ آٹھ کہار اس کی پالکی اٹھائے ہوئے ہوتے۔ جس میں بیٹھ کر وہ مدرسے جاتا اور واپس آتا۔ یہی نہیں طنبور بجانے والے اور گانے والے اس کی سواری کے آگے طنبور بجاتے اور گاتے ہوئے چلتے۔

مکان جس میں وہ رہتا تھا، بڑا عالی شان تھا اور اس میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ گھر میں خدمت کرنے والے ملازم الگ تھے۔ دسترخوان پر بیٹھتا تو اس کے سامنے قسم قسم کے کھانے چنے جاتے۔ وہ اس ٹھاٹھ سے

زندگی بسر کرتا تھا کہ سب لوگ اس کو بڑا آدمی سمجھتے تھے اور وہ تھا بھی بڑا آدمی، کیوں کہ امیر ہونے کے ساتھ اس کے پاس علم کی دولت بھی تھی۔

پروفیسر ہوانگ جب دوپہر کے کھانے سے فارغ ہوتا تو روزانہ اپنے باغ میں چلا جاتا اور درخت کے نیچے بیٹھ کر لکھنے پڑھنے میں مشغول ہو جاتا یا کسی گہری سوچ میں ڈوب جاتا۔ ایک دن کیا ہوا کہ وہ اپنے باغ میں انجیر کے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا کتاب پڑھ رہا تھا کہ یکایک وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ ٹہلتے ٹہلتے تربوز کی ایک بیل پر اس نظر جا پڑی، جس میں بڑے بڑے تربوز لگے ہوئے تھے۔ وہ کچھ دیر نازک سی بیل اور تربوزوں کو دیکھتا رہا، پھر درخت کی طرف اس نے دیکھا جس کی ٹہنیوں سے پکے ہوئے انجیر لٹک رہے تھے اور اس کے قریب جا کر اس سے کہنے لگا کہ تم کتنے مضبوط درخت ہو تم تو تربوز کا بوجھ بھی سہار سکتے ہو پھر معلوم نہیں قدرت نے تم پر انجیر کیوں لگا دیے ہیں، انجیر کے درخت سے یہ بات کہہ کر وہ تربوز کی بیل کے پاس پہنچا اور اس سے کہا تم کتنی کمزور بیل ہو، میں حیران ہوں کہ قدرت نے تم پر تربوز جیسا وزنی پھل کیوں لگا دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت سے ضرور غلطی ہو گئی ہے، کیوں کہ جہاں تربوز لگنے ضروری تھے، وہاں تو انجیر لٹک رہے ہیں اور جہاں انجیر لگنے چاہییں تھے وہاں تربوز لگے ہوئے ہیں۔ گویا جو چیز جہاں ہونی چاہیے وہاں نہیں ہے۔

پروفیسر یہ باتیں کر کے انجیر کے درخت کے نیچے بچھی ہوئی کرسی پر آ بیٹھا اور دل ہی دل میں قدرت کی اس غلطی پر پیچ و تاب کھانے لگا۔ اتنے میں ہوا کے ایک جھونکے سے پکا ہوا انجیر درخت کی شاخ سے ٹوٹا اور سیدھا پروفیسر کی ناک پر آ گرا جس سے اس کی ناک پر ہلکی سی خراش آ گئی۔ اس واقعہ سے پروفیسر کی آنکھیں کھل گئیں اور کہنے لگا، افسوس مجھ سے سوچنے میں بڑی غلطی ہو گئی ہے۔ اگر انجیر کے درخت پر تربوز لگا ہوتا اور وہ تربوز میری ناک پر آ کر گرتا تو میری ناک ضرور زخمی ہو جاتی۔ یقیناً ایسا درخت بڑا خطرناک ہوتا جس پر تربوز لگے ہوئے ہوتے۔

پروفیسر اب اس نتیجے پر پہنچا کہ قدرت سے بڑھ کر کوئی دانا نہیں اور اس کی کوئی کاری گری حکمت سے خالی نہیں۔

شگفتہ بڑی نٹ کھٹ لڑکی تھی۔ دن رات شرارتوں کے سوا اُسے اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ عمر تو یہی دس بارہ سال کے لگ بھگ رہی ہوگی، مگر شرارتیں ایسی دماغ سے اُتار اُتار کے کرتی تھی کہ بڑے بھی منھ دیکھتے رہ جاتے تھے۔ ہر نئی شرارت پر اس کی خوب دُرگت بنتی تھی، مگر وہ بھی کب ماننے والی تھی۔ مار پیٹ کو تو وہ اپنی جان کا صدقہ سمجھتی تھی۔ امّی جان کی گُھرکیوں اور مار پیٹ کے فوراً بعد ہی وہ سب کچھ بھول جاتی اور نئی شرارتوں کے لیے تیار ہوجاتی اور اس روز تو اس نے کمال ہی کر دیا۔

راز یوسفی

# مُرغابی کا شکار



ہُوا یُوں کہ اس کی امّی جان مال روڈ پر اینگن کی دکان سے سِلے ہوئے کپڑے لینے کے لیے گئی ہوئی تھیں اور اُس کے ابّو بھی گھر سے باہر تھے۔ وہ اپنے بنگلے میں بالکل اکیلی گڑیوں سے کھیل رہی تھی۔ دن کے چار بجے ہوں گے۔ اچانک باہر کے دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ اس وقت اپنے کھیل میں اتنی مگن تھی کہ اس بے وقت دستک پر اُسے بڑا غصّہ آیا۔ وہ جھنجھلا کر اُٹھی اور منھ ہی منھ میں کچھ بڑبڑاتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھولتے ہی اس کی نظر ایک اجنبی آدمی پر پڑی، جو چہرے

سے بڑا تھکا ماندہ نظر آتا تھا۔ شاید وہ کوئی مسافر تھا، جسے شگفتہ نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"کون ہو تم؟" اس نے بڑے غصّے کے ساتھ پوچھا۔

" میرا نام راشد ہے۔ میں کراچی سے پہلی بار لاہور آیا ہوں۔ حامد صاحب کا بنگلہ یہی ہے نا؟"

اجنبی مسافر بڑی دھیمی آواز میں بول رہا تھا۔ وہ چہرے سے کچھ بیمار بھی نظر آرہا تھا، "بات یہ ہے کہ میں کچھ دِنوں سے بیمار ہوں۔ ڈاکٹر نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں کچھ عرصے کے لیے کراچی سے باہر چلا جاؤں، اسی لیے میں لاہور آیا ہوں، تاکہ یہاں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد میری صحت ٹھیک ہو جائے۔ آپ کے والد صاحب مجھے نہیں جانتے ہوں گے۔ میں بھی انھیں نہیں جانتا، مگر میں اپنے ایک رشتہ دار کا رقعہ لے کر آیا ہوں، جو حامد صاحب کے گہرے دوست ہیں اور کسی زمانے میں اُن کے پڑوس میں رہ چکے ہیں۔"

شگفتہ اتنی بہت سی باتیں سُن کر جھلّا اُٹھی، مگر پھر بھی اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی، جسے بدتمیزی کہا جا سکتا۔ اس نے دل ہی دل میں جلتے کڑھتے ہوئے، مگر چہرے پر بناوٹی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا،

"اوہو! میں بھی کتنی بیوقوف لڑکی ہوں۔ ساری باتیں دروازے پر ہی کھڑی سُن رہی ہوں۔ آپ اندر آجائیں اور آرام سے بیٹھ کر میری امّی جان کا انتظار کریں۔ وہ بھی آتی ہی ہوں گی۔"

"شکریہ۔" کہتے ہوئے اجنبی مسافر اپنا سوٹ کیس اُٹھا کر ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا اور ایک صوفے پر بیٹھ کر کھوئی کھوئی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"تو اس سے پہلے آپ ہمارے بنگلے میں کبھی نہیں آئے؟" شگفتہ نے باتوں کا سلسلہ چھیڑ دیا۔

" نہیں۔ کبھی نہیں۔" اجنبی مسافر نے چَونکتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ! پھر تو آپ کو میرے ڈیڈی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہوگا؟"

"نہیں۔ کچھ نہیں! کیا ان کے بارے میں کوئی خاص بات مجھے معلوم ہونی

چاہیے تھی؟" اجنبی مسافر نے آنکھیں پھاڑ کر بڑی حیرت سے پوچھا۔

"نہیں، کوئی ایسی ضروری بات تو نہیں اور آپ جان کر بھی کیا کریں گے۔ چھوڑیے، کوئی اور بات کیجیے۔"

"مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش نہ کرو۔ بیٹی، ساری بات کھول کر بتاؤ، ورنہ میری طبیعت پر بوجھ رہے گا۔"

"خیر، سن لیجیے! اب سے تین سال پہلے کی بات ہے، ایک روز میرے ڈیڈی، میرے ماموں اصغر اور ہمارا بھورے رنگ کا پالتو کُتّا دریائے راوی پر مرغابی کا شکار کھیلنے گئے تھے۔ میری امّی جان ڈیڈی کو ہمیشہ شکار کھیلنے سے روکتی تھیں، لیکن انھوں نے کبھی امّی جان کی بات پر کان نہیں دھرا اور آخر اس روز وہی بات ہوئی، جس کا امّی کو دھڑکا لگا رہتا تھا، ڈیڈی، ماموں اصغر اور بھورے رنگ کا پالتو کُتّا آج تک شکار سے واپس نہیں آئے۔ کہتے ہیں کہ دلدل کے ایک گہرے ٹکڑے نے ان تینوں کو ہڑپ کرلیا۔"

"ہڑپ کرلیا؟" اجنبی مسافر نے صوفے سے تقریباً اُچھلتے ہوئے پوچھا۔

"تو اور کیا؛ ہڑپ کرنے والی بات ہی ہوئی۔"

"اوہ! یہ تو بڑے افسوس کی بات ہے۔"

وہ تو ہے ہی، مگر سب سے زیادہ مصیبت کی بات یہ ہے کہ امّی جان کو ابھی تک ان تینوں کی موت کا یقین نہیں آیا۔ ان کے دماغ میں ابھی تک یہی وہم سمایا ہوا ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ تینوں اسی چور دروازے سے واپس آجائیں گے، جس دروازے سے گزر کر وہ شکار کے لیے روانہ ہوئے تھے۔"

"وہ دروازہ کون سا ہے؟" اجنبی مسافر نے سہمتے ہوئے پوچھا۔

وہ رہا ڈرائنگ روم کے پچھلی طرف۔" شگفتہ نے ایک کونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جہاں گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا، اور یہ دروازہ آج رات گئے تک اسی طرح کھُلا رہے گا، کیوں کہ آج کے دن ہی وہ تینوں شکار کے لیے گئے تھے۔ اور امّی جان آج کے دن کی سالگرہ اسی طرح مناتی ہیں کہ دروازہ رات گئے تک کھُلا رکھتی ہیں اور آپ کے سامنے والے

صوفے پر بیٹھ کر اِن کی واپسی کا انتظار کیا کرتی ہیں۔ بس اب وہ آتی ہی ہوں گی۔"

"تو آج بھی یہاں بیٹھ کر وہ ان کا انتظار کریں گی؟" اجنبی مسافر نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"ضرور، اس روز ڈیڈی اپنے ساتھ سفید رنگ کی برساتی بھی لے گئے تھے، جو اِن کے کاندھے پر جھول رہی تھی اور آج بھی موسم کچھ اسی قسم کا ہے۔ آسمان پر گھرے بادل چھا رہے ہیں۔ کیا تعجب ہے کہ امی کا خیال درست ہی نکلے۔"

اچانک وہ بولتے بولتے رُک گئی اور اس کے چہرے سے ایک عجیب سی مایوسی ٹپکنے لگی۔ اسی وقت بیگم حامد تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔

"معاف کرنا بیٹی۔ مجھے واپسی میں کافی دیر ہوگئی۔ کم بخت دکاندار نے کپڑے دینے میں دیر کر دی۔ تمھارے ڈیڈی کی واپسی کا وقت بھی تو قریب ہے۔ خانساماں سے کہہ دو، چائے تیار کرے۔" پھر اُن کی نگاہ اچانک اجنبی مسافر پر پڑی۔ "آپ کی تعریف؟"

"میرا نام راشد ہے۔ میں کراچی سے آیا ہوں۔" پھر اس نے جیب سے ایک بند لفافہ نکال کر بیگم صاحبہ کے حوالے کر دیا۔ انھوں نے لفافہ کھول کر جلدی جلدی پڑھا۔

"بہت خوب! مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ آپ بڑے اطمینان سے یہاں جتنے دن چاہیں رہ سکتے ہیں۔ آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ میرا خیال ہے شگفتہ نے اچھی طرح آپ کا دل بہلایا ہوگا۔ بڑی باتونی لڑکی ہے۔"

"جی، جی۔" راشد جیسے گہری نیند سے چونکتے ہوئے بولا "بڑی دل چسپ بچّی ہے۔"

میرا خیال ہے کہ آپ کو سامنے والے دروازے کے کھُلا رہنے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ میں یہیں بیٹھ کر ان کا انتظار کیا کرتی ہوں۔ وہ ہمیشہ اسی راستے سے شکار کے لیے روانہ ہوتے ہیں اور اسی راستے سے واپس آتے ہیں۔ وہ آج ہی مرغابی کے شکار کے لیے راوی کی طرف گئے ہیں۔ میں انھیں ہمیشہ شکار کھیلنے سے روکتی ہوں، مگر وہ میری ایک نہیں سُنتے۔

بڑی ضدی طبیعت کے مالک ہیں۔ میرا چھوٹا بھائی اصغر اور بھورے رنگ کا گھریلو کتا اُن کے پکے ساتھی ہیں۔ آج موسم کتنا خراب ہے۔ وہ آج اچھی طرح بارش میں بھیگے ہوں گے اور دلدل میں لت پت ہوئے ہوں گے، اب آتے ہی وہ گرم گرم چائے پئیں گے اور پھر جی کھول کر شکار کی دل چسپ باتیں سُنائیں گے۔"

یہ تمام باتیں سُنتے ہوئے راشد کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا اور وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ شگفتہ نے بیگم صاحبہ کے وہم کے بارے میں جتنی باتیں بتائی تھیں، وہ سب کی سب ٹھیک تھیں۔ واقعی ان کے دماغ پر اس صدمے کا گہرا اثر تھا۔ وہ ٹکٹکی باندھے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ راشد نے کئی بار ان کی باتوں کے درمیان انھیں ٹوکنا چاہا، مگر انھوں نے اسے موقع ہی نہ دیا اور اپنی باتیں جاری رکھیں۔

خوف کے مارے راشد کا بُرا حال تھا۔ وہ یہاں کچھ دن آرام کرنے کے لیے آیا تھا، مگر یہاں تو پہلے ہی رنج اور خوف کے منحوس سائے پھیلے ہوئے تھے۔

"آخر وہ آ ہی گئے۔" اچانک بیگم حامد خوشی سے چیخ اُٹھیں، "ٹھیک چائے کے وقت پہنچے ہیں۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا، وہ لوگ دلدل میں لت پت ہوں گے کوئی دُور سے دیکھے تو بھوت سمجھ کر ڈر جائے۔"

"بھوت!" یہ سُن کر راشد سر سے پاؤں تک کانپ اُٹھا۔ اس نے شگفتہ کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا، جن میں بیگم حامد کے لیے گہری ہمدردی موجود تھی۔ شگفتہ دروازے کے راستے باہر کی طرف گھورے چلی جا رہی تھی اور اس کی نگاہوں سے خوف اور دہشت کا احساس ٹپک رہا تھا۔ راشد نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گھوم کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ تین سائے دروازے میں داخل ہو رہے تھے۔ دو انسانوں کے سائے تھے اور ایک کتّے کا اور پھر ایک بھاری بھرکم آواز اندھیرے میں گونج کر رہ گئی، "آخر ہم آ ہی گئے۔"

راشد نے جھپٹ کر اپنا سوٹ کیس

اُٹھایا اور اتنی تیزی سے بھاگتا ہوا بنگلے سے باہر نکلا کہ اگر سڑک پر جاتا ہوا سائیکل سوار اسے بچانے کی کوشش نہ کرتا تو اچھا خاصا حادثہ ہو جاتا۔

"راشد صاحب!" بیگم حامد زور سے چیخیں، مگر اس نے ایک نہ سُنی اور بھاگتا ہوا دُور نکل گیا۔

"یہ کون شخص تھا، جو ابھی ابھی یہاں سے بھاگا ہے؟" حامد صاحب نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

ایک عجیب و غریب آدمی، جو کراچی سے آیا تھا۔ جب تک یہاں بیٹھا رہا بُجھا بُجھا اور سہما سہما سا رہا۔ مجھے تو کوئی دیوانہ دکھائی دیتا تھا۔

شگفتہ دھیرے دھیرے مُسکراتی رہی، پھر کھکھلا کر ہنس دی۔

"اوہ! تو یہ شرارت تمھاری معلوم ہوتی ہے۔ تم نے ضرور اس بے چارے کو کوئی دہشت ناک کہانی سنائی ہوگی۔ یہ تمھاری پرانی عادت ہے۔" حامد صاحب شگفتہ کے کان مروڑتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

---

## مشہور بندرگاہیں

سعید الظفر۔ کراچی

| نام | ملک | نام | ملک |
|---|---|---|---|
| اسکندریہ | متحدہ عرب جمہوریہ | رنگون | برما |
| چٹاگانگ، کراچی | پاکستان | سنگاپور | ملائشیا |
| کلکتہ، بمبئی | ہندستان | سڈنی | آسٹریلیا |
| ہمبرگ | جرمنی | یوکوہاما | جاپان |
| ایمسٹرڈم | ہالینڈ | جنیوا | اٹلی |
| کولمبو | سیلون | مانٹریال | کینیڈا |
| گلاسکو | سکاٹ لینڈ | انٹروپ | بلجیم |
| شنگھائی | چین | سان فرانسسکو، نیویارک | امریکا |
| مارسیلز | فرانس | برسٹل، لندن | برطانیہ |

# آئینہ کا دھوکا

عشرت رحمانی



مشرقی پاکستان کے کسی گاؤں میں ایک غریب اور نیک کسان رہتا تھا۔ وہ بہت بھولا بھالا اور محنتی آدمی تھا۔ اس کا ایک بیٹا تھا۔ وہ اس کی طرح سیدھا سادہ اور نیک تھا۔ بیٹا بڑا ہوا تو باپ کے ساتھ کھیتی باڑی کرنے لگا۔ دونوں باپ بیٹے دھان بوتے اور خوب محنت کرکے ہل چلاتے۔ چاول کی ہری بھری کھیتی لہلہاتی اور وہ دونوں خوشی خوشی اپنے کھیت کے چاول خود بھی کھاتے اور انھیں بیچ کر کپڑے اور ضرورت کی دوسری چیزیں لاتے۔ مشرقی پاکستان کی من بھاتی غذا دال، مچھلی اور بھات ہے، کیوں کہ یہ چیزیں وہاں کثرت سے پیدا ہوتی ہیں۔

کسان کی بیوی تو بہت دنوں پہلے مر چکی تھی۔ کچھ دنوں بعد کسان بھی اللہ کو پیارا ہوا اور اس کا بیٹا جو اب جوان ہو چکا تھا، اکیلا رہ گیا۔ اُس نے بیاہ کر لیا اور دونوں میاں بیوی مل جُل کر سب کام کرنے لگے۔ نوجوان کا نام عرفان تھا۔ عرفان کھیتی باڑی کرتا اور اس کی بیوی گھر کے کام کاج کرتی، کھانا پکاتی اور اپنے میاں کے لیے کھیت پر کھانا لے جاتی۔

ایک دن کیا ہوا کہ کوئی شکاری شہر سے وہاں آیا۔ وہ رات کو عرفان کے کھیت میں رہا اور صبح سویرے وہاں سے آگے جنگل میں شکار کھیلنے چلا گیا۔ وہ جلدی میں وہاں اپنا آئینہ بھول گیا، جو اُس نے صبح کو اپنے تھیلے سے نکالا تھا۔

صبح کو جب عرفان اپنے کھیت پر پہنچا تو اُس نے آئینہ وہاں پڑا ہوا دیکھا۔ وہ اُسے اُٹھا کر بڑے غور سے دیکھنے لگا۔ عرفان کی صورت بڑے ہو کر بالکل اپنے باپ سے ملتی جلتی تھی۔ اس نے پہلے کبھی آئینہ نہیں دیکھا تھا۔ اسے یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ اس کا باپ اس کے سامنے کھڑا ہے۔ اس نے ہنستے ہوئے خوش ہو کر کہا، "بابا سلام! کہو اچھے تو رہے۔ مجھے اب معلوم ہوا کہ تم گھر سے چلے گئے تھے تو یہاں کھیت میں چھپ کے بیٹھ گئے تھے۔ تم چاہتے تھے، میں تمھیں ڈھونڈوں۔ دیکھا، میں نے کیسا ڈھونڈھا۔ اب میں تمھیں کہیں نہ جانے دوں گا۔ اپنے ساتھ رکھوں گا۔" اور بھولے عرفان نے دیکھا کہ اس کا باپ سامنے برابر مسکرا رہا ہے اور اس کے ہونٹ ہلتے نظر آ رہے ہیں جیسے اس سے وہ بھی باتیں کر رہا ہو۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ وہ خود ہی ہنس رہا ہے اور اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھ رہا ہے۔

شام کو جب گھر گیا تو وہ اپنے ساتھ آئینہ بھی لے گیا۔ اس کے پاس کوئی صندوق یا ایسی چیز نہ تھی جس میں آئینہ کو احتیاط سے رکھتا، اس لیے اس نے ایک برتن میں رکھ کے اسے کسی کپڑے سے ڈھانپ دیا اور سنبھال کے رکھ دیا۔ اب وہ روزانہ دن میں کئی بار کھیت سے کام چھوڑ کر آتا اور اپنے باپ کو دیکھتا اور یہ کہہ کر چلا جاتا کہ "اچھا اب میں کام پر جاتا ہوں، پھر آکر آپ سے ملوں گا۔" کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ اس کی بیوی نے اسے آئینہ دیکھتے اب تک نہ دیکھا تھا، کیوں کہ وہ گھر کے کام دھندے میں مصروف ہوا کرتی۔

جب بیوی نے دیکھا کہ اس کا میاں کئی دن سے اس سے نہ بات کرتا ہے، نہ کسی چیز کی فرمائش کرتا یا ہنستا بولتا ہے تو اسے فکر ہوئی کہ اُسے کیا ہو گیا، کہیں کچھ بیمار تو نہیں ہے۔ تھوڑی دیر بعد عرفان آیا اور آئینہ دیکھ کر ہنسی خوشی باتیں کرتا رہا اور اسے برتن میں چھپا کر پھر واپس چلا گیا۔ اس کی بیوی باورچی خانے سے یہ

سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ عرفان کے جانے کے بعد بیوی وہاں پہنچی۔ جہاں یہ برتن رکھا ہوا تھا اور کپڑا اُٹھا کر آئینہ کو دیکھا۔ آئینے میں اسے اپنی صورت نظر آئی۔ اس نے بھی اس سے پہلے کبھی آئینہ نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنی شکل سامنے دیکھ کر سمجھی کہ کوئی دوسری عورت ہے اور یہ سوچ کر اسے بہت رنج ہوا اور غصّہ سے لال پیلی ہو گئی، کیوں کہ اُسے خیال ہوا کہ اس کے میاں نے اس دوسری عورت سے بیاہ کر لیا ہے اور اسے یہاں چھپا کر رکھا ہے۔ اسی لیے وہ بار بار کھیت سے گھر آتا ہے اور اس سے خوب ہنستا بولتا ہے، مگر مجھ سے بات تک نہیں کرتا۔

جب عرفان شام کو گھر آیا تو اس نے اسے خوب بُرا بھلا کہا اور بتایا کہ مجھے تمھاری ساری باتوں کا پتہ چل گیا۔ تم نے مجھ سے دھوکا کیا۔ عرفان کو یہ باتیں سُن بڑا تعجب ہوا کہ اس کی بیوی یہ کیا کہہ رہی ہے اور اس نے کہا، "میں نے تو تم سے کوئی دھوکا نہیں کیا۔ آخر تم ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو؟" اس پر بیوی نے جھٹ آئینہ اُٹھا کر اسے دکھاتے ہوئے کہا،

"یہ عورت کہاں سے آئی اور تمھاری کون ہے؟ یہ دھوکا نہیں تو کیا ہے؟"

عرفان نے اسے سمجھایا کہ "یہ تو میرے بابا ہیں۔" بیوی اور زیادہ چیخی چلّائی اور رو رو کر کہنے لگی،

"میرے سامنے جھوٹ بھی بولتے ہو۔ پہلے تو تم ایسے نہ تھے۔ کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ یہ سب چھل فریب اس مکّار عورت نے سکھائے ہیں۔ اگر یہ بابا ہیں تو ان کی صورت عورتوں جیسی کیوں ہے۔ بابا کے اتنے لمبے کیس اور چوٹی کہاں سے آئی۔ وہ عورتوں کے سے کپڑے کیوں پہنے ہیں اور ان کے کانوں میں بالیاں اور گلے میں ہار کیوں ہے؟"

عرفان کو تو آئینے میں اپنے بابا ہی نظر آتے تھے، اس لیے اسے بار بار یہی سمجھایا کہ تمھیں کسی نے بہکایا ہے۔ یہاں عورت کوئی نہیں، مگر وہ کیسے مانتی، کیوں کہ اسے تو آئینے میں اپنا چہرہ ہی دکھائی دیتا تھا، جسے وہ دوسری عورت سمجھتی تھی۔ آخر وہ لڑتی جھگڑتی رہی۔ دونوں کی باتیں اور چیخ و پکار سُن کر ہمسائے کے عورت مرد وہاں جمع ہو گئے۔ سب کو تعجب ہوا کہ آج تک یہ دونوں میاں بیوی کبھی نہیں

لڑے۔ کبھی کسی نے ان میں سے کسی کو یُوں چیختے چلّاتے نہیں دیکھا۔ آخر انھیں کیا ہوگیا، جو اس طرح لڑ رہے ہیں۔

اور جب عرفان کی بیوی نے انھیں رو رو کر بتایا کہ میرے میاں نے دوسری شادی کرلی اور ایک عورت کو گھر میں چھپاکر رکھا ہے تو سب عرفان سے پوچھنے لگے۔ اس نے آئینہ ان کے سامنے کرتے ہوئے کہا،

"یہ تو میرے بابا ہیں۔ نہ جانے اس نیک بخت کو خواہ مخواہ کیا ہوگیا ہے، جو مجھ سے جھگڑا کیے جارہی ہے۔ آپ لوگ دیکھ لیجیے۔"

اس پر ایک ایک کرکے سب نے آئینہ دیکھا۔ جو دیکھتا اُسے آئینے میں اپنی شکل نظر آتی۔ پھر سب نے ساتھ مل کر دیکھنا شروع کیا تو کئی شکلیں دکھائی دینے لگیں۔ اب تو سب نے سوچنا شروع کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ پہلے تو اسے کوئی جادو سمجھتے رہے، مگر سوچتے سوچتے آخر سمجھ گئے کہ ان دونوں میں سے کسی کا قصور نہیں۔ یہ اس آلے نے انھیں دھوکے میں ڈالا ہے، جس میں ہر دیکھنے والا اپنی شکل دیکھتا ہے اور سب کی سمجھ میں اصل بات آگئی کہ یہ منہ دیکھنے کا آلہ ہے، جسے کوئی یہاں لاکر بھول گیا ہے۔

گاؤں کے بڑے بوڑھوں نے عرفان اور اس کی بیوی کو سمجھا بجھاکر صلح صفائی کرادی وہ دونوں ہنسی خوشی پہلے کی طرح رہنے لگے، مگر ان کا مکان اچھا خاصہ عجائب گھر بن گیا۔ سارے گاؤں کے لوگ عورتیں، مرد، بچّے، بوڑھے آکر آئینہ دیکھتے اور اپنے اپنے چہرے اس میں دیکھ کر ہنستے اور حیران ہوتے۔ دُور دُور تک اس آئینے کی خبر پہنچی۔ جس نے سُنا وہ دَوڑا ہوا اسے دیکھنے آیا۔ اس طرح عرفان کا گھر اس علاقے بھر میں مشہور ہوگیا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ عرفان کی نیکی سے خوش ہوکر اللہ میاں نے ایک عجیب کھلونا اسے انعام میں بھیجا ہے، مگر نیک اور بھولے عرفان کو صرف اس بات کی خوشی تھی کہ وہ دن میں کئی بار اپنے بابا کی صورت اس بہانے سے دیکھ لیا کرتا، کیوں کہ اسے اپنے بابا سے پیار جو تھا اور اسی لیے وہ اپنے باپ کی شکل کا تھا۔

# پسّو سرکس دکھاتے ہیں

ہاتھیوں، شیروں اور گھوڑوں کے سرکس تو شاید سبھی نے دیکھے ہوں گے، لیکن پسّوؤں کا سرکس تو شاید ہی کسی نے دیکھا یا اس کا تصوّر بھی کیا ہو۔ اس وقت پسّوؤں کا سرکس کرنے والا دنیا کا واحد شخص برمنگھم (لندن) میں رہتا ہے۔ اسے اس پیشے میں ابھی تک نہ تو شہرت ملی ہے اور نہ دولت، لیکن اُس نے جس انوکھے کھیل کی ابتدا کی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ چند ہی دنوں بعد اسے دونوں چیزیں مل جائیں گی۔

پچاس سالہ مسٹر لیونارڈ ٹاملن کے پاس بارہ موٹے موٹے پسّو ہیں جنھیں وہ سرکس میں استعمال کرتا ہے۔ وہ چند روز بعد اپنے پسّوؤں کے ساتھ نیویارک منتقل ہو رہا ہے۔ لیونارڈ نے ایک بیان میں کہا ہے کہ "ساحلی علاقوں میں مَیں نے روزانہ ایک سو پونڈ بھی کمائے ہیں، لیکن امریکا میں میں اس سے کہیں زیادہ کماؤں گا۔"

لیونارڈ کا چودہ سالہ لڑکا کرس بھی اپنے باپ کے ہمراہ نیویارک جا رہا ہے۔ ایک ماہ بعد اس کی بیوی بھی امریکا روانہ ہوگی۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ نہ جا سکے گی، کیوں کہ ان کے ہاں ۱۴ روز قبل جڑواں بچّے پیدا ہوئے ہیں۔ لیونارڈ ۳۰ برس تک پسّوؤں کا سرکس چلاتے رہے ہیں اور یہ پیشہ انھیں آباؤ اجداد سے ورثے میں ملا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آج کل پسّو حاصل کرنا بڑا دشوار کام ہے۔ ایک درجن پسّو حاصل کرنے لیے ایک پونڈ دینا پڑتا ہے۔

# کدّو



یہ پودا اپنے پھل کی وجہ سے ہندستان اور پاکستان میں کاشت کیا جاتا ہے۔ عام لوگ اس کا حلوہ اور ترکاری بنا کر کھاتے ہیں۔ امریکا میں بھی اس کی کاشت کافی ہوتی ہے، لیکن یورپ میں کمی کے ساتھ بویا جاتا ہے۔ یورپ میں کدو سولھویں صدی کے آخر میں جنوبی یورپ سے وہاں پہنچا ہے۔ امریکا میں جب لوگ جانا شروع ہوئے اور وہیں رہتے گئے تو انھوں نے دیکھا کہ ریڈ انڈین اس کی کاشت مکا کے کھیت میں کرتے ہیں اور یہ ان کی مرغوب سبزی ہے۔ کدو کی بیل ۲۰ فیٹ یا بعض جگہ اس سے زیادہ بھی لمبی ہوتی ہے۔ اس کے ڈنٹھل اندر سے خالی ہوتے ہیں، پتے چوڑے اور پھول پیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ امریکا میں کدو کی کاشت بالکل اسی طرح ہوتی ہے جس طرح ریڈ انڈین کرتے تھے، یعنی مکا کی قطاروں کے درمیان میں بویا جاتا ہے۔ پھل عموماً ۱۰ پونڈ سے لے کر ۴۰ پونڈ تک کا ہوتا ہے، مگر کبھی کبھی اس سے بڑا ہوتا ہے۔ تصویر میں تین بڑے کدو ایک دو گھوڑوں والی گاڑی میں رکھے ہوئے ہیں، ان پر ایک آدمی بیٹھا ہے اور دوسرا کھڑا ہے۔ اس سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ کدو کتنے بڑے ہیں اور ان کا وزن کتنا ہوگا۔ اتنا بڑا ایک کدو کئی خاندانوں کے لیے کافی ہوگا۔ کدو سبز رنگ کے ہوتے ہیں، پک کر پیلے رنگ کے ہو جاتے ہیں، اور ان کی کاشت اس وقت کی جاتی ہے جب اور تمام سبزیاں کہر کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہیں۔ کچے کدو امریکا میں جانوروں کے چارے کے طور پر استعمال کرنے کے لیے بوتے ہیں اور پکے پھلوں کی پائی ( PIE ) بنائی جاتی ہے۔




# الپکا

## اونٹ کا پہاڑی بھائی

اگر آپ چائل اور پیرو کے سرچکرانے والے پہاڑی حصہ پر سولہ ہزار [۱۶۰۰۰] فیٹ کی بلندی تک چڑھ جائیں تو آپ کو اُس خاموش علاقہ میں اپنے علاوہ اور دوسرے جاندار بھی نظر آئیں گے اور وہ سلیٹی رنگ کے چوہے نما جانور وہاں چلتے پھرتے ہوں گے، مگر جب آپ کے نزدیک آئیں گے تو یہ بالوں والے جانور ہرنوں کے برابر ہوں گے۔ آپ کی سانس اوپر کی اوپر اور نیچے کی نیچے رہ جائے گی جب آپ ان کو پہاڑ پر دوڑتے دیکھیں گے کہ کس طرح وہ ایک چٹان سے دوسری چٹان پر اور گہری کھائیوں کے اوپر سے چھلانگ لگاتے ہیں۔ یہ جانور الپکا (ALPACA) کہلاتے ہیں۔ ان کو پالا جاتا ہے، تاکہ ان سے اون حاصل کیا جائے۔ اونٹ اور لاما دلایک قسم کا جانور ہے سے ان کا رشتہ ملایا جاسکتا ہے۔ ہر سال انگلستان اور امریکا کو اس جانور کے ریشم جیسے لچک دار بال لاکھوں پونڈ بھیجے جاتے ہیں، ان کا اون ہر سال تراشا جاتا ہے اور کبھی کبھی دوسرے

سال بعد بھی — اسی اون کا کپڑا "الپکا" کے نام سے تیار کیا جاتا ہے۔ یہ بال تقریباً دُو فیٹ لمبے ہوتے ہیں اور یہی الپکے کو برف کے طوفان اور برفانی ہواؤں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ قدرت اس کی مدد کرتی ہے اور یہ ہر مصیبت کو آسانی سے جھیل لیتا ہے۔ یہ جانور بہت ہی مستعد اور تیز ہوتا ہے اور ہر خطرے کے لیے چوکنا رہتا ہے۔ اس کے سخت جھکے ہوئے کھُر اور نرم گدے دار پیر اس کو پہاڑوں پر سبزہ کھانے میں مدد دیتے ہیں، جو کافی اونچائی پر پیدا ہوتا ہے۔ الپکے کے مضبوط دانت سخت پتیاں اور ٹہنیاں کھانے میں اور اس کا پیٹ ان کو ہضم کرنے میں مدد کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کئی دن تک بھوکا پیاسا رہ سکتا ہے۔ یہ تمام خوبیاں اس کو اتنی اونچائی پر رہنے کے قابل بنا دیتی ہیں۔ جہاں ایک انسان کا زندہ رہنا محال ہے۔

---

## توتے کو تین۳ سال قید

ریوڈی جنیسرلو ایک بدتمیز توتے کو ایک ہمسایہ خاتون کے ساتھ بدکلامی کے جرم میں تین سال کے لیے جیل بھیج دیا گیا۔ تفصیلات یوں بتائی جاتی ہیں کہ ایک معمّر خاتون کو اپنے پڑوسی کے مکان سے ہمیشہ اس قسم کی آوازیں سنائی دیتی تھیں کہ "بوڑھی ڈائن، مدقوق بڑھیا، منحوس کہیں کی" کچھ دنوں وہ خاتون دل ہی دل میں کڑھتی رہی، کیوں کہ اُسے معلوم تھا کہ پڑوسی کے گھر میں کوئی بڑھیا نہیں ہے اور یہ فقرے بازی اس پر ہوتی ہے۔ آخر ایک دن اس خاتون نے اپنے پڑوسی کے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کرائی، لیکن جب پولیس وہاں پہنچی تو پڑوسی کے بجائے اس کا طوطا بڑی روانی کے ساتھ وہ جملے دہرا رہا تھا۔ "بوڑھی ڈائن، مدقوق بڑھیا، منحوس کہیں کی"۔ پولیس نے طوطے کو موقع واردات پر گرفتار کر لیا اور اسے جیل بھیج دیا گیا۔ جہاں اسے مہذب گفتگو سکھائی جا رہی ہے۔




# بئے کا گھونسلا

پرندوں کی دنیا میں بئے کا گھونسلا سب سے عجیب و غریب ہوتا ہے، یہ گھونسلے مختلف لمبائی چوڑائی کے ہوتے ہیں، مگر سب گھاس اور پتّوں سے خوب صورتی کے ساتھ بُنے جاتے ہیں اور اس خاندان کے جتنے پرندے ہوتے ہیں، سب کے گھر ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ بیا ایک چھوٹا سا پرندہ ہوتا ہے، جو دانہ کھا کر گزارہ کرتا ہے۔ بیا خاص کر افریقہ میں پایا جاتا ہے۔ ایشیا اور آسٹریلیا میں بھی اس کی کئی قسمیں پائی جاتی ہیں۔ افریقہ کے بئے کا گھونسلا بہت ہی عجیب ہوتا ہے۔ یہ گھونسلے عموماً اجتماعی طریقے پر بنائے جاتے ہیں اور کسی درخت کی شاخ سے لٹکے رہتے ہیں۔ جو بالکل کُکر مُتّے کی چھتری کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ بڑے پرندے (ماں اور باپ) جب اپنا گھونسلا بناتے ہیں تو ان کے بچّے بھی ان کے ساتھ مل کر اپنا اپنا گھونسلا بنا لیتے ہیں۔ یہ سلسلہ سالہاسال تک جاری رہتا ہے۔ دور سے یہ گھونسلے بالکل ایسے معلوم ہوتے ہیں، جیسے کسی دیہاتی کی گھاس پھونس سے بنی ہوئی جھونپڑی ہو۔

ہندستان اور (لنکا) سیلون کے بئے اکثر اپنے گھونسلے ایسے درختوں کی شاخوں پر بناتے ہیں، جو کسی چھوٹی سی ندی پر پھیلی ہوتی ہیں۔ گھونسلے کے اندر مٹی کے ڈھیلے ڈال دیے جاتے ہیں، تاکہ گھونسلا وزنی ہو جائے اور ہوا کے جھونکوں سے نہ ہلے۔ دیہاتیوں کا کہنا ہے کہ بئے جگنو پکڑ کر اپنے گھونسلوں میں بند کر دیتے ہیں، تاکہ دوسرے پرندے جانور یا سانپ وغیرہ ان کے بچّے نہ کھائیں اور ڈر کر بھاگ جائیں۔

# صحت مند نونہال

اس صفحہ پر ہر ماہ صحت مند نونہالوں
کی تصویریں شائع کی جائیں گی۔
جلدی سے اپنی تصویر بھیج دو!



نورالصباح تواب، کراچی



سید افتخار رئیس، کراچی



خوشنود النور، چاٹگام



خلیل الرحمٰن ، کراچی



زعیم حسن مجیدی ۔ کراچی



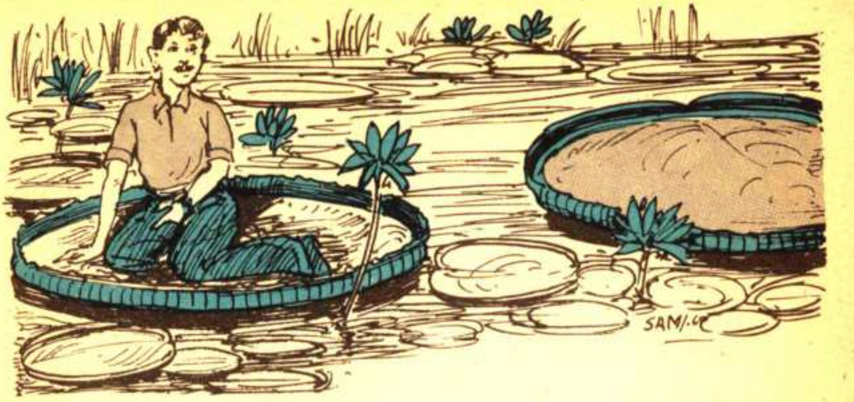
راشد رفیع ، کراچی



فرزانہ ، لاڑکانہ



عتیق جاوید ، کراچی




# پانی کا سفید کنول

پانی کا سفید کنول پانی کی ملکہ کہلاتا ہے۔ جھیلوں کے کنارے، تالابوں کے اندر، کیچڑ میں اس کے پودے کی جڑیں پھیلی رہتی ہیں۔ اس کے موٹے ڈنٹھل اوپر کی طرف پانی میں نکلے رہتے ہیں اور ان میں پھول لگتا ہے۔ یہ پھول کے لیے لنگر کا کام دیتے ہیں اور ان کے ساتھ گول پتے لگے رہتے ہیں۔

یہ پھول کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض دن میں کھلتے ہیں، بعض شام کے وقت اور بہت سے تمام دن کھلے رہتے ہیں۔ اکثر ایسے ہوتے ہیں جو دوپہر کو بند ہوتے ہیں۔ انگلستان کے بہترین پھول سفید اور ہلکے زرد رنگ کے ہوتے ہیں۔ ان پھولوں کی ایک قسم جسے وکٹوریا ریگیا کہتے ہیں امیزان کے علاقے میں ہوتی ہے۔

اس کے پھول کافی بڑے ہوتے ہیں یعنی آٹھ سے سولہ انچ قطر کے اور پتے تو اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ آدمی ان کو کشتی کے طور پر استعمال کر سکتا ہے اور وہ اس کا وزن سنبھال لیتے ہیں۔ عموماً باغوں میں ہر قسم کے کنول پائے جاتے ہیں۔ دیکھنے میں بڑے ہی خوب صورت معلوم ہوتے ہیں۔ پھول سفید، ہلکے، پیلے، گلابی اور ہلکے نیلے رنگ

کے ہوتے ہیں۔ یہ پھول مصر، چین، ہندستان اور پاکستان میں بھی پائے جاتے ہیں. چین اور ہندستان میں ان کو بہت مقدس مانا جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں مہاتما بدھ کے پیروؤں نے جو غاروں میں تصاویر بنائی ہیں، ان کی بیلوں میں اکثر ان کو بنایا گیا ہے اور ہندوؤں کے یہاں بھی ان کی اکثر تصاویر میں یہ پھول دکھائے جاتے ہیں۔

اس پھول کے پتے چپٹے ہوتے ہیں۔ ان کا قطر چھے اور سات فیٹ کا ہوتا ہے اور اس کے کنارے چار سے چھے انچ تک اونچے ہوتے ہیں۔ اوپر کا حصہ شوخ، سبز ہوتا ہے اور نیچے کا حصہ گہرا گلابی۔

---

# ہنسو اور خوش رہو

مالی: (باغ میں ایک لڑکے کو درخت سے آم توڑتے دیکھ کر) "میاں لڑکے، تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

لڑکا: تمھارے کچھ آم درخت سے گر گئے تھے، میں انھیں اٹھا کر درخت پر لگا رہا ہوں۔

(کلیم اشرف۔ کراچی)

استاد: (اشرف سے) بتاؤ اشرف، کلاس فیلو کسے کہتے ہیں؟

اشرف: جناب جو اپنی کلاس میں فیل ہو جاتا ہے۔

(گوہر علی گوہر۔ لیاقت آباد)

سپاہی: (ٹرک والے سے) تمھارے باپ کا نام؟

ٹرک والا: تم میرا چالان کرنا چاہتے ہو یا میرے باپ کا؟

باپ: (بیٹے سے) پنکھا بند کرو!

بیٹا: (بھولے پن سے) ابا جان پنکھا صندوق میں بند کروں یا الماری میں۔

ایک آدمی کے گھر رات کے وقت ٹیلی فون آیا، وہ جھنجھلا کر اٹھا اور رسیور اٹھایا، دوسری طرف سے آواز آئی: "آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟"

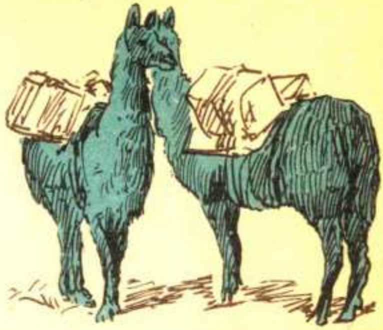
آدمی (غصّے سے) بولا، "جہنم سے"۔

دوسرا کہنے لگا، "بس یہی معلوم کرنا تھا کہ آپ جیسا بدتمیز آدمی غلطی سے جنّت میں تو نہیں بھیج دیا گیا"۔

شمشیر علی آبی
مخدوم پور




# لاما



شمالی امریکا کا (LAMA) عجیب جانور ہے۔ یہ پھنکارتا ہے اور تھوک منھ سے نکالتا ہے۔ اس کا رشتہ اونٹ سے جو پرانی دنیا کا جانور ہے ملتا ہے، مگر اس کے کوہان نہیں ہوتا۔ الپکا کے مقابلے میں لاما کے بالوں کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اس کا اون بہت موٹا ہوتا ہے، اس لیے اس کا صرف موٹا دھاگا اور موٹا اونی کپڑا ہی بن سکتا ہے۔ نر لاما کو سامان لادنے کے کام میں لاتے ہیں اور مادہ کو دودھ اور گوشت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا گوشت بکری کے گوشت جیسا ہوتا ہے۔ ہسپانیوں نے جب سولھویں صدی میں پیرو فتح کیا تو انھوں نے دیکھا کہ ہزاروں لاما سامان لادنے اور سواری کے کام میں لائے جارہے ہیں اور اس نئی دنیا میں سوائے کتے اور لاما کے کوئی دوسرا جانور نہیں ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ زیادہ ترقی نہ کر سکے۔ اینڈیز پہاڑوں میں صرف یہی جانور باربرداری کے کام آتا ہے۔ یہ راستہ پہاڑی ہے اور خطرناک بھی۔ لاما کی اونچائی تین فیٹ ہوتی ہے، مگر اس میں اس کی گردن شامل نہیں ہے۔ یہ جانور ایک سو بیس پونڈ وزن بارہ میل فی گھنٹے کی رفتار سے آسانی سے لے جاتا ہے۔ یہ اپنا چارہ خود ہی تلاش کر لیتا ہے اور یہ ایسی جگہوں پر جاتا ہے، جہاں عام طور سے کوئی دوسرا جانور نہیں جا سکتا اور چل سکتا ہے۔ اگر اس پر زیادہ وزن لاد دو تو یہ لیٹ جاتا ہے اور چلنے سے انکار کر دیتا ہے اور اگر اس کو پریشان کرو تو یہ تھوک کے گولے مُنھ سے نکالتا ہے اور اپنے پریشان کرنے والے پر پھینکتا ہے۔ اس کی تصویر سے تمھیں اندازہ ہو جائے گا کہ یہ اونٹ کا رشتہ دار ہے۔ اس کا چہرہ اونٹ سے ملتا جلتا ہوتا ہے اور گردن بھی اسی طرح کی ہوتی ہے۔




# ریچھ اور اس کی قسمیں



چار پاؤں سے چلنے والے جنگلی جانوروں میں ریچھ ایسا جانور ہے، جسے بچے بوڑھے سب جانتے ہیں۔ یہی وہ جانور ہے جس کے متعلق لوگوں میں بڑی غلط فہمی ہے اور بہت سی غلط باتیں مشہور ہو گئی ہیں۔ گوشت خور جانوروں کی طرح ریچھ کے بارے میں کئی ایسے قصے مشہور ہو گئے ہیں، جن سے حقیقت کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اکثر لوگوں نے ریچھ کو بڑا ہی خونخوار درندہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ریچھ پیدائشی ڈرپوک واقع ہوا ہے اور کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ طبیعت کا بہت ہی اچھا ہے۔ آدمی کو پھاڑ کھانے کی کوشش نہیں کرتا اور نہ اس کا مقابلہ کرتا ہے، لیکن اسے اپنی طاقت پر پورا بھروسہ ہے اور وقت پڑھنے پر وہ اپنے بچاؤ کی پوری پوری کوشش کرتا ہے۔ ایک شریف انسان کی طرح ریچھ بھی ہمیشہ یہی کوشش کرتا ہے کہ معاملہ اگر نرمی سے طے ہو تو اچھا ہے، لیکن جب صلح و صفائی سے کام نہیں چل سکتا تو وہ اپنی بھرپور قوت سے مقابلہ کرتا ہے۔ ریچھ دیکھنے میں بڑا گندا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی پیٹھ کا درمیانی حصہ سب سے اونچا ہوتا ہے۔ گردن اور آنکھیں چھوٹی ہوتی ہیں، تھوتھنی، گاؤدم اور پیر کافی مضبوط ہوتے ہیں۔

وہ انسانوں کی طرح چپٹے پیروں سے چلتا ہے۔ اس کے تلوے بالکل ننگے ہوتے ہیں۔ ہر ایک پیر کے پنجے میں پانچ انگلیاں ہوتی ہیں اور ان میں بڑے بڑے نوکدار ناخون ہوتے ہیں، جو بلی کی طرح پنجے کے اندر نہیں چھپتے، بلکہ باہر نکلے رہتے ہیں۔ بال کافی گھنے اور لمبے ہوتے ہیں اور ہر سال گر جاتے ہیں۔ ریچھ کی دم بالکل چھوٹی ہوتی ہے۔ اس کے دانت ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے وہ ہر چیز کھا سکتا ہے۔ اس کی کچلیاں کتے جیسی لمبی اور تیز ہوتی ہیں، تاکہ گوشت کو چیر پھاڑ کر کھا سکے۔ ریچھ ایک طرف کی دونوں ٹانگیں اٹھا کر اور اس حصۂ جسم کو اٹھا کر چلتا ہے۔ اس کا بے ڈھنگے پن سے چلنا اکثر دھوکا دیتا ہے۔ وہ کبھی کبھی تیزی سے مڑ کر بلی کی طرح پنجہ مارتا ہے۔ دوڑنے میں وہ ایک قسم کی چھلانگ لگاتا ہے اور اس کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ ایک اچھے دوڑنے والے کو چند منٹ میں پکڑ سکتا ہے۔ ریچھ حملہ کرتے وقت اپنے پچھلے پیروں پر کھڑا ہوتا ہے اور اگلے دونوں پیر اور دانتوں سے لڑتا ہے۔ یہ ایک اچھا تیراک ہے۔ بعض ریچھوں کے بچے درختوں پر بھی چڑھ جاتے ہیں۔ جنگل میں رہنے والے ریچھ دو سے لے کر چھے مہینے تک کسی علیحدہ جگہ جا کر خاموشی سے وقت گزار دیتے ہیں۔ جب سردیوں کا موسم آتا ہے تو ریچھ اپنے لیے ایک پر سکون مقام تلاش کر لیتا ہے۔ وہ کسی غار یا درخت کے خول میں آرام سے پڑا رہتا ہے۔ اس جگہ وہ ہر وقت سوتا نہیں رہتا، ہاں کھانا پانی بالکل بند کر دیتا ہے۔ ریچھ کے عموماً دو بچے ہوتے ہیں اور کبھی اس سے زیادہ بھی ہو جاتے ہیں۔ پیدائش کے وقت بچے بالکل گوشت کا لوتھڑا ہوتے ہیں اور ان پر بال بالکل نہیں ہوتے۔ ماں باپ کے جسم کو دیکھتے ہوئے بچے کافی حد تک چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔

ریچھ کا شمار گوشت خوروں میں ہوتا ہے، مگر بہت سے ریچھ سبزی خور بھی ہوتے ہیں۔ وہ گھاس، پودوں کی جڑیں، سخت گری والے خشک پھل، کیڑے مکوڑے، چوہے، سانپ، کیکڑے، انڈے، مچھلی اور پرندے جیسے

وہ آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں، کھاتے ہیں۔ ریچھ مردار گوشت نہیں کھاتا۔ بعض ریچھ چیونٹیوں کے کھانے کے بہت شائق ہوتے ہیں، کیوں کہ ان میں ایک قسم کا تیزاب پایا جاتا ہے۔ شہد بھی ان کو بہت ہی مرغوب ہے اور ان کے لیے وہ میلوں کا سفر کرتا ہے۔ ایشیا، یورپ، امریکا اور افریقہ میں کئی قسم کے ریچھ پائے جاتے ہیں۔ شمالی امریکا میں چار قسم کے ریچھ ہوتے ہیں (۱) کالا ریچھ، (۲) سلیٹی رنگ کا ریچھ، (۳) الاسکن بھورا ریچھ، (۴) پولر ریچھ یا برفانی ریچھ، ان کے علاوہ ایشیا میں ایران سے لے کر جاپان تک ہمالیہ کا ریچھ اور ملا ایشیا میں ملائی ریچھ پائے جاتے ہیں۔


کالا ریچھ

**کالا ریچھ** اصل میں شمالی امریکا میں پایا جاتا ہے۔ اس کے سینے میں سفید نشان ہوتا ہے۔ اس کی سونگھنے اور سننے کی قوت بہت تیز ہوتی ہے اور اسی وجہ سے یہ اپنے دشمنوں سے بچا رہتا ہے۔ معمولی بُو یا آواز اس کو چوکنا کر دیتی ہے۔ یہ اپنے غار سے نکل کر دور بھاگ جاتا ہے۔ بڑے کالے ریچھ کا وزن ایک ہزار پانچ سَو ۱۵۰۰ پونڈ یا اس سے زیادہ ہوتا ہے اور بعض کا اس سے بھی کم۔ کالے ریچھ سے بچے بہت خوش رہتے ہیں۔ یہ اپنے دونوں پیروں پر کھڑا ہو کر ناچتا ہے۔ اس کے بچے بھی خاصے دل چسپ ہوتے ہیں۔ آپس میں کشتی لڑتے ہیں، دوڑتے بھاگتے ہیں اور پانی میں غوطے لگاتے ہیں۔

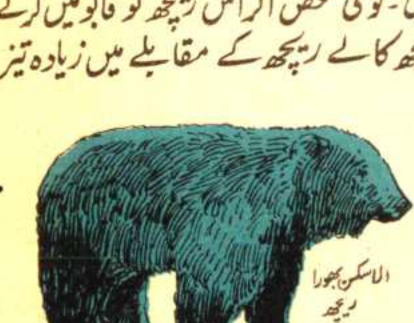

سلیٹی ریچھ

**سلیٹی ریچھ** شمالی امریکا کے مغربی حصّہ میں آرکٹک سمندر سے لے کر جنوبی



یہ خاکہ سلیٹی رنگ کے ریچھ کے پیر کے تلوے کا ہے۔ اس پر بچے کا ہاتھ رکھا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ کتنا بڑا ہوتا ہے۔

میکسیکو اور راکی پہاڑوں سے لے کر بحرالکاہل تک پائے جاتے ہیں۔ ان کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ ڈیل ڈول میں یہ کالے ریچھ کے برابر ہوتے ہیں اور ان میں بڑے سے بڑا ۱۰ فیٹ کا ہوتا ہے اس کا وزن ایک ہزار پانچ سو پونڈ ہوتا ہے۔ یہ چھوٹے گھوڑے اور بیل وغیرہ کو اٹھا کر لے جاتا ہے۔ یہ پیلے سے لے کر سلیٹی تک کئی رنگوں کے ہوتے ہیں۔ ان کے بالوں کے سرے ہلکے سلیٹی رنگ کے ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ سلیٹی ریچھ کہلاتے ہیں۔ امریکا میں دودھ پلانے والے جانوروں میں سلیٹی ریچھ بڑا خونخوار مانا جاتا ہے۔ وہاں کے انڈین باشندے اس سے بہت ڈرتے ہیں۔ کوئی شخص اگر اس ریچھ کو قابو میں کرلے تو وہ بہت بڑا بہادر مانا جاتا ہے۔ یہ ریچھ کالے ریچھ کے مقابلے میں زیادہ تیز اور سمجھ دار ہوتا ہے۔



الاسکن بھورا ریچھ

**الاسکن بھورا** یہ ریچھ صرف الاسکا میں پائے جاتے ہیں۔ ان کا وزن ایک ہزار پانچ سو پونڈ ہوتا ہے اور گوشت خوروں میں سب سے بڑے ہوتے ہیں۔ ۱۸۹۶ء سے پہلے ان کے متعلق کسی کو علم نہیں تھا۔ یہ انسان سے ڈرتے ہیں اور دیکھتے ہی بھاگتے ہیں اور اگر زخمی ہو جائیں تو بڑی ہمّت سے لڑتے ہیں۔ یہ اپنا وقت زیادہ تر چوہے کا شکار کرنے، گلہری مارنے اور درختوں کی جڑیں کھود کر کھانے میں صرف کرتے ہیں۔ جب سالمن مچھلی دریا میں آجاتی ہے تو یہ انھیں کھاتے ہیں۔

**برفانی ریچھ** بالکل برف کی طرح سفید ہوتا ہے، تاکہ اس ماحول میں



برفانی ریچھ

جہاں وہ رہتا ہے، بالکل نظر نہ آئے۔ اس کا تمام جسم بالوں سے ڈھکا رہتا ہے اور پیر کے تلووں پر بھی کافی گھنے بال ہوتے ہیں۔ یہ بڑا اچھا تیراک ہوتا ہے اور سردی کے زمانے میں بھی پانی میں خوش رہتا ہے۔ مادہ ریچھ صرف گوشۂ تنہائی میں جاتی ہے اور کسی برف کے غار میں اپنے بچّوں کو لے کر رہتی ہے۔ یہ اپنے بچوں کو اس وقت تک اپنے پاس رکھتی ہے جب تک وہ خود اپنی حفاظت کرنے کے قابل نہ ہو جائیں۔ خطرہ محسوس کرتے ہی مادہ پانی میں چھلانگ لگا دیتی ہے اور بچّے بھی اس کے ساتھ کود جاتے ہیں اور ماں کی دم اس وقت تک منھ میں دبائے رہتے ہیں جب تک وہ کسی محفوظ مقام پر نہ پہنچ جائے۔ برفانی ریچھ موسمِ سرما میں سیل مچھلی، والرسی اور دوسری مچھلیوں پر گزارا کرتا ہے۔ کافی بھوکا ہونے پر یہ انسانوں پر بھی حملہ کرتا ہے اور اسکیمو لوگوں کو کھا جاتا ہے۔ گرمیوں میں جب غذا کافی ہوتی ہے، یہ صرف اپنے بچاؤ کے لیے ہی انسانوں پر حملہ کرتا ہے۔

بھورا ریچھ سلیٹی ریچھ سے زیادہ ملتا جلتا ہوتا ہے۔ یہ کالے ریچھ سے بڑا بھی ہوتا ہے اور زیادہ خطرناک بھی، مگر ایسا خطرناک نہیں کہ انسانی خون کا پیاسا ہو، جیسا کہ لوگ اس کو بتاتے ہیں۔ یہ صرف اسی وقت حملہ کرتا ہے جب بہت بھوکا ہوتا ہے یا کوئی اس کو ستاتا ہے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے جنگل میں اپنا خیمہ لگایا اور اس کے چاروں طرف آگ جلا دی تھی، تاکہ خیمہ بیچ میں درندوں سے محفوظ رہے۔ بھورے ریچھ نے پہلے پانی میں جا کر اپنے کو خوب بھگویا، پھر زمین پر لوٹتا ہوا آیا اور اسی طرح آگ بھی بجھائی اور اندر خیمہ میں داخل ہوگیا۔

یہ کہانی دل چسپ تو ضرور ہے، مگر اس میں ریچھ کی ذہانت کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے۔ بھورا ریچھ بہت طاقتور ہوتا ہے اور اس کی حرکتوں پر یقین نہیں آتا۔ ایک مرتبہ اس نے گائے کو مار کر اپنے سامنے کے دونوں پیروں کے پنجوں میں دبا کر اور پچھلے پیروں سے چل کر ایک چھوٹا دریا پار کیا تھا۔ دوسرا واقعہ جو بہت ہی معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ بھورا ریچھ ایک چھے سو پونڈ وزنی ہرن کو تین چوتھائی میل تک جنگل میں گھسیٹ کر لے گیا۔ یہ ریچھ افریقہ میں اِٹلاس پہاڑ سے لے کر یورپ کے پار دوسرے حصہ میں سربیا سے لے کر چٹگام تک پایا جاتا ہے۔

**ہمالیہ کا ریچھ** یہ صرف ایشیا میں ایران سے لے کر جاپان تک پایا جاتا ہے۔ یہ بالکل کالے ریچھ کی طرح ہوتا ہے۔ جسامت، رنگ اور عادات واطوار میں بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔



ہمالیہ کا ریچھ

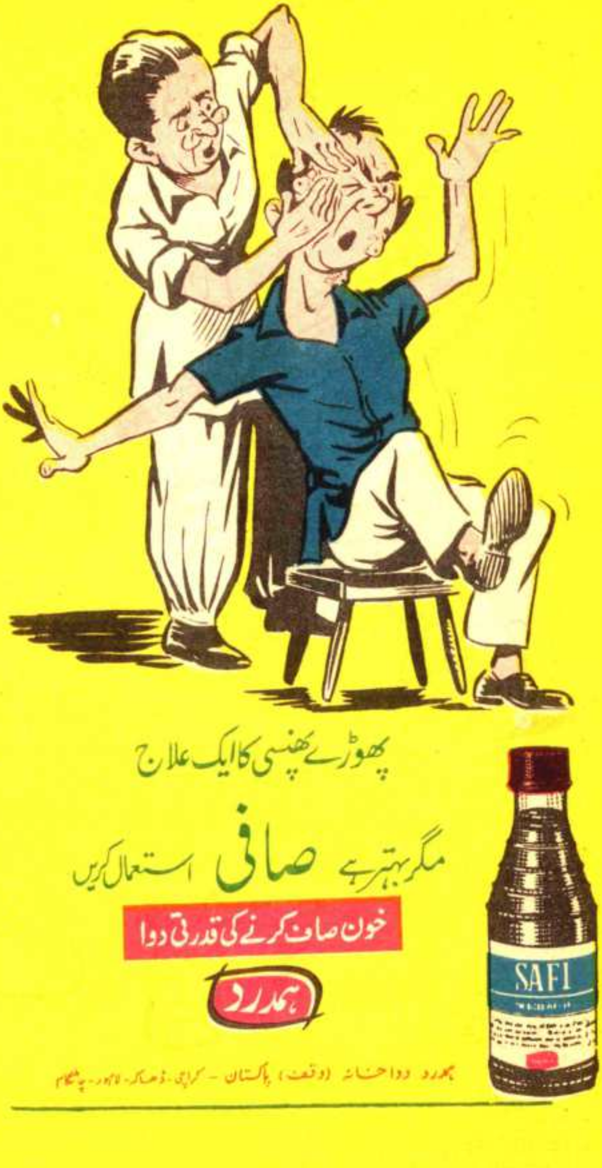


ملا ایشیا کا ریچھ

**ملا ایشیا کا ریچھ** بہت چھوٹا ہوتا ہے اور ملا ایشیا اور مشرقی انڈین جزیروں میں پایا جاتا ہے۔ مغربی پاکستان کے شہروں میں اکثر مداری ڈگڈگی بجا کر اسی ریچھ کو نچاتے ہیں، کشتی لڑتے ہیں اور وہ اپنے کندھے پر ڈنڈا رکھ کر چلتا ہے اور طرح طرح حرکتیں کرتا ہے، جسے دیکھ کر بچے خوش ہوتے ہیں۔ اس ریچھ کے سینے پر بھی سفید چاند کا نشان ہوتا ہے۔

٭


دانتوں کی تکلیف کا
ایک عِلاج
مگر بہتر ہے
ہمدرد منجن
اِستعمال کریں
ہمدرد



پھوڑے پھنسی کا ایک علاج
مگر بہتر ہے صافی استعمال کریں
خون صاف کرنے کی قدرتی دوا
ہمدرد
SAFI
ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان - کراچی - ڈھاکہ - لاہور - چاٹگام



# ننھا منّا مصوّر
# جو
# ۲ دو سال کی عمر سے
# تصویر بنا رہا ہے

آیئے آج ہم آپ کو ایک ایسے ہونہار نونہال سے ملائیں، جس نے دو سال کی عمر سے مصوری شروع کر کے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔

یہ ہیں آپ کے دوست ۷ سالہ بدر بے کم۔ یہ ترکی کے رہنے والے ہیں، جو ہمارا بہترین اور ہمسایہ دوست ملک ہے۔

۷ سالہ بدر بے کم ترکی کے ایک انجینیر مطاہر بے کم کے لڑکے ہیں، جو انقرہ میں کام کرتے ہیں۔ جب بدر کی عمر دو سال تھی وہ اپنے والد کے ساتھ ان ہی کی میز پر بیٹھے کاغذ پنسل لیے تصویریں بنایا کرتے۔ اکثر وہ تمام دن اسی طرح کام کرتے رہتے اور ان کا یہ بہترین مشغلہ بن گیا۔

دو سال کی عمر میں اس نے نہ صرف داہنے ہاتھ میں پنسل لیے موٹر کار کی تصویر بنائی تھی، بلکہ اسی مشاقی سے بائیں ہاتھ

میں پنسل پکڑے راکٹ بھی کاغذ پر بنا دیا تھا اور بعد میں اس نے مختلف رنگ بھرے تھے۔ اب بدر اس قدر ماہر ہو گیا ہے کہ پانچ سال کے عرصے میں بہترین اسکیچ اور تصویریں بنا سکتا ہے۔

۷ سالہ بدر بے کم نے پانچ سال کے عرصے میں کئی ہزار تصویریں بنائی ہیں، جن میں سینریاں، اسکیچ اور دوسری تصویریں شامل ہیں۔ پانچ سال کے دوران اس نے مصوّری کے مختلف مراحل طے کیے۔ دو سے تین سال کی عمر تک وہ پنسل سے مختلف خاکے بناتے رہے۔ تین سال کے بعد اس نے مختلف مناظر کی تصویریں بنانی شروع کر دیں اور پانچ سال کی عمر میں اس میں اتنی صلاحیت پیدا ہو گئی کہ وہ مختلف رنگوں سے ہر قسم کی تصویریں بنانے لگا۔

بدر نے مصوّری سیکھنے کے لیے کسی استاد سے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی، بلکہ صرف دلچسپی اور شوق نے اسے بہترین مصوّر بنا دیا۔ بدر کے والدین کا کہنا ہے کہ بدر کو بچپن سے صرف ایک ہی چیز سے دلچسپی تھی اور وہ ہے مصوّری۔ بعض اوقات وہ اس قدر منہمک رہتا کہ کھائے پیے بغیر دو دن تک مصوّری میں لگا رہتا ہے۔

اب تک بدر نے جو بہترین تصاویر بنائی ہیں، ان میں قریباً ایک ہزار پنسل کی بنائی ہوئی تصاویر اور ڈرائنگ ہیں اور پانچ ہزار سے زیادہ تصاویر واٹر کلر کی ہیں، ان تصاویر میں کاؤبوائے، ریڈ انڈین، ہوائی جہازوں، بحری جہازوں کے علاوہ جنگ جو سپاہیوں اور میدانِ جنگ میں لڑائی کی تصویریں شامل ہیں۔ پچھلے سال اس نے چند پورٹریٹ تصویریں بھی بنائی ہیں جن میں ایک خاتون کو انتہائی غمگین اور سوگوار پیش کیا ہے اس کے علاوہ ترکی کے قبائلی عورتوں کی تصویریں علیحدہ ہیں۔

پچھلے دنوں اس کی ان تصاویر کی نمائش لندن میں ہوئی تھی، جو قریباً پندرہ دن جاری رہی۔ لندن کی نمائش سے قبل بدر کی تصاویر پیرس اور روم میں نمائش کے لیے پیش کی گئی تھیں۔ جب بدر کی چھٹی سالگرہ ہوئی تھی تو اس کی ان بہترین تصاویر کی نمائش سب سے پہلے ترکی کے صدر مقام انقرہ اور بعد میں استنبول میں کی گئی۔ اس نمائش کو ایک لاکھ آدمیوں نے دیکھا تھا۔ اس نمائش کے بعد ہی یورپ کے مختلف ملکوں نے اس ننھے مصوّر کی تصاویر کی نمائش اٹلی، فرانس اور انگلستان میں منعقد

کرنے کی خواہش کی۔ اس دعوت پر بدر اپنے والدین کے ساتھ تین مہینے کے دَورے پر فرانس، اٹلی اور انگلستان پہنچا تھا۔

اٹلی جو ساری دنیا میں آرٹ اور مصوّری کے لیے بے انتہا مشہور ہے۔ بدر کی تصاویر جنیوا آرٹ اکیڈمی میں پیش کی گئیں۔ اکیڈمی کے ارکان اور دوسرے بہترین مصوروں نے بدر کی تصاویر اور اسکیچوں کو دیکھ کر کہا کہ اس ننھے منّے بچے میں خداتعالیٰ نے زبردست صلاحیتیں دی ہیں اور وہ سات سال کی عمر میں سولہ سترہ سال کی عمر کے نوجوان ماہر مصور کے انداز میں ہر چیز کو سوچتا اور منظر کشی کرتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آئندہ وہ اپنے زمانے کا بہترین مصوّر ہوگا۔

فرانس میں ننھے مصوّر نے ماہرین اور بہترین اُستادانِ فن سے اپنے کمال کا لوہا منوایا۔ اس کی تصاویر بنانے کے انداز اور مختلف رنگوں کے انتخاب اور اسکیچوں کو دیکھ کر ماہرین نے بدر کی بے انتہا تعریف کی اور بتایا کہ اس کم عمر میں ہی اس میں دنیا کے مشہور مصوّروں میرو اور میٹیسی کی تصاویر کی جھلک نظر آتی ہے۔

لندن کے قیام کے دَوران ایک اخباری نمائندے نے بدر سے سوال کیا کہ وہ بڑا ہو کر کس پیشے کو اختیار کرے گا؟ بدر نے انتہائی معصومیت سے جواب دیا تھا کہ جب اس نے پہلی مرتبہ ایک فوجی سپاہی کو دیکھا تھا تو اس کی خواہش تھی کہ وہ خود بھی سپاہی بن جائے، لیکن جب اس نے مختلف امریکی رسالے پڑھے تو اسے کاؤ بوائے بننے کا شوق پیدا ہوا۔ اس کی اسی خواہش کا اثر ہے کہ اس کی تصویروں میں زیادہ تصاویر ریڈ انڈین یا کاؤ بوائے کی ہیں۔

اس سے پوچھا گیا کہ کاؤ بوائے سے اسے کیوں دل چسپی ہے تو اس نے بتایا کہ جب بھی کوئی شخص کسی دوسرے کو نقصان پہنچاتا ہے اور زیادتی کرتا ہے تو وہ فوراً اس کی مدد کو پہنچ جاتے ہیں۔

مصوری کے بعد اس کا دل چسپ مشغلہ تاریخ کی کتابیں پڑھنا اور سائنسی مضامین کا مطالعہ ہے۔ بدر کو خاص طور پر چاند کے متعلق معلومات سے بڑی دل چسپی ہے۔ وہ ملاحوں اور سمندری مہمات کی کہانیاں بھی شوق سے پڑھتا ہے۔

لندن میں بدر نے وہاں کی مشہور آرٹ گیلری "ٹیٹ" میں دنیا کے مشہور مصوروں کی تصاویر بھی دیکھی تھیں۔ بعض تصویروں پر اس نے تنقید بھی کی اور

اس کا عام تاثر یہ تھا کہ تصاویر بُری نہیں ہیں۔
دُنیا کے ایک مشہور مصوّر ہنری میسٹی کی ایک تصویر جس کا عنوان "سینسل" تھا، دیکھنے کے بعد اس نے جو تنقید کی، اس سے ماہرین نے اس کی صلاحیت کا اندازہ لگایا ہے۔ اس نے بتایا کہ اس تصویر میں رنگوں کو بہترین انداز میں پیش کیا گیا ہے اور خاص طور پر ان رنگوں کے درمیان سفید رنگ کو انتہائی مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور میں بھی اپنی تصاویر میں اس تکنیک کو استعمال کروں گا۔
سات سالہ بدر بے کم بغیر کسی ڈر و خوف کے کئی اخباری نمائندوں اور دوسرے افراد کے سوالات کا جواب دیتا رہا تھا لیکن لندن کے موسم نے اسے بڑا پریشان کر رکھا تھا اور بار بار بدر کی والدہ اس کی ناک صاف کرتی رہی تھیں۔
آپ تو جانتے ہیں کہ بچّوں کی کمزوری ٹافی ہوتی ہے۔ بدر بے چارہ بھی اس کمزوری کا شکار ہے۔ لندن کے اخباری نمائندوں نے اس سے سوالات کے جوابات حاصل کرنے کے لیے ٹافی دینے کا لالچ دیا تھا، لیکن بھلا بتائیے کہ ہر اخباری نمائندہ ہمیشہ ٹافی تھوڑا ہی لیے پھرتا رہتا ہے۔ چناں چہ انٹرویو لینے کے بعد جب وہ چلے گئے تو بدر بہت دیر تک ٹافی کے لیے مچلتا رہا۔
لندن میں اس کی خواہش تھی کہ وہ ملکہ برطانیہ سے ملے اور ملکہ کے محل بکھنگم پیلس کو دیکھے۔ اس نے بتایا کہ اس طرح نہ صرف ملکہ سے ملاقات ہوگی، بلکہ اسے محل میں جو نادر تصویریں لگی ہیں، انھیں بھی دیکھنے کا موقع مل سکے گا۔
لندن میں نمائش ختم ہونے کے بعد بدر اپنے والدین کے ساتھ تین ماہ تک یورپ کے مختلف مقامات کا دورہ کرنے کے بعد ترکی واپس پہنچ گیا ہے۔
اس نے اتنی کم عمری میں جو صلاحیت پیدا کرلی ہے، یورپ کی مشہور آرٹ گیلریوں میں بڑے بڑے مصوروں کی تصاویر دیکھی ہیں اور بڑے بڑوں ماہروں سے مل چکا ہے، اس لیے اس کے متعلق ساری دنیا کے بڑے بڑے مصوروں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، بدر یقیناً اس پر پورا اُترے گا اور دنیا کا بہترین مصور کہلائے گا۔

---

# اسفنج کیا ہے؟

عارف حجازی

اسفنج بظاہر ایک معمولی چیز ہے، جو روزمرّہ غسل وغیرہ کے کام آتی ہے، لیکن سائنس دانوں کے لیے یہ ایک بڑی اہم چیز ہے۔ پُرانے زمانے میں اسفنج کو قطعی طور پر نباتات سمجھا جاتا تھا، لیکن سب سے پہلے "ارسطاطالیس" نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اسفنج کا نباتات سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ ایک جان دار مخلوق ہے۔ طویل مدّت تک ارسطو کے اس قول کی تردید کسی سائنس داں نے نہیں کی، لیکن علمی ترقی کے ساتھ جب نئی نئی تحقیقات کا دروازہ کھُلا تو اسفنج کی اصلیت کا سوال پھر سائنس دانوں کے زیرِ بحث آیا، انھیں تامل ہوا کہ اسفنج کو قطعی طور پر حیوانات کے زمرے میں شمار کریں یا نباتات سمجھیں۔ سترھویں صدی کے آخر تک یورپ کے بہت سے لوگ اسفنج کو نباتات خیال کرتے تھے، لیکن اٹھارہویں صدی میں جان ایلس نے ارسطو کے قول کی پُرزور تائید کی اور مختلف دلائل کے ذریعے ثابت کیا کہ اسفنج کو نباتات میں شمار کرنا غلطی ہے، بلکہ یہ ایک قسم کا جانور ہے۔

جان ایلس کے اس نظریے اور تحقیق نے علمی حلقوں میں پھر سنسنی پیدا کر دی۔ بحث اور غور و فکر کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ آخر اُنیسویں صدی کے آخر تک بیشتر سائنس داں اسفنج کو جان دار مخلوق خیال کرنے لگے اور کچھ عرصے بعد یہ مان لیا گیا کہ اسفنج ایک سمندر کا جانور ہے۔

عام طور پر جو اسفنج ہم استعمال کرتے ہیں، وہ ایک ہی قسم کا نہیں ہوتا، بلکہ سمندر میں اس کی لاکھوں قسمیں ہوتی ہیں اور اس کی اقسام کا شمار اب تک نہیں ہو سکا، لیکن تجارتی لحاظ سے اسفنج کی بیشتر قسمیں بیکار ثابت ہو چکی ہیں۔ بعض ایسی جھیلوں

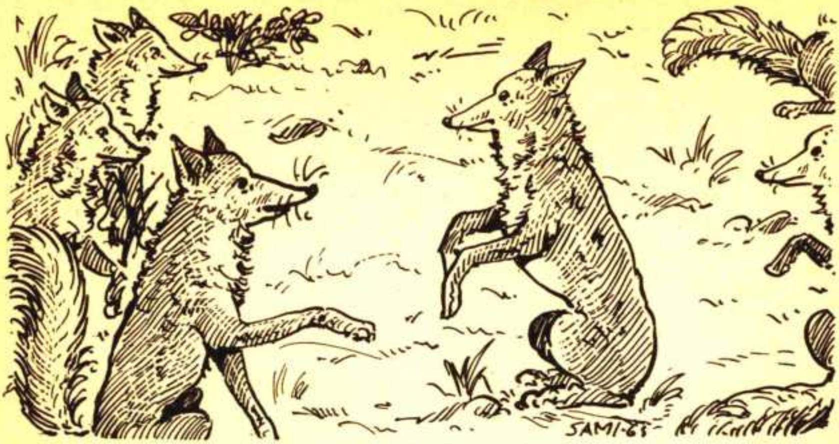
میں جو آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں میں سمندر کی سطح سے بارہ ہزار فیٹ بلندی پر بن جاتی ہیں، قسم قسم کے خوب صورت اسفنج پیدا ہوتے ہیں۔ اسفنج علم حیوانات کے ماہروں کے لیے خاص دل چسپی کا باعث ہے۔ جو اسفنج چھوٹی جھیلوں میں پیدا ہوتا ہے، وہ پودوں سے مشابہ ہوتا ہے، اس لیے ان پر جان دار مخلوق ہونے کا گمان نہیں ہوتا۔ ان کی بھی عام پودوں کی طرح جڑیں ہوتی ہیں، تنے ہوتے ہیں اور ان کی شاخیں سمندر کے نیچے اسی طرح پتھروں پر پھیلتی ہیں۔ پہلی نظر میں ان پر "آبی نرکل" کا دھوکہ ہوتا ہے۔ ان کا رنگ بھی عام پودوں کی طرح گہرا سبز ہوتا ہے۔ جب موسمِ خزاں میں دوسرے پودوں کی طرح اسفنج مُرجھا جاتا ہے تو سمندر میں ہر طرف آل پن کے سرے کے برابر ننھے ننھے بیج سے تیرتے نظر آتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ کسی پودے کے بیج پانی میں بکھرے ہوئے ہیں۔

جھیلوں میں جو اسفنج ایسے مقام پر پیدا ہوتا ہے، جہاں روشنی کا گزر نہ ہو تو اُن کا سبز رنگ زائل ہو جاتا ہے اور وہ تاریکی میں اُگنے والے پودوں کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ جن سائنس دانوں نے اسفنج کو حیوان قرار دیا ہے، اُن کا کہنا ہے کہ اسفنج کے اندرونی ریشوں میں لاتعداد سبز رنگ کے خلیے ہوتے ہیں، جن کا قطر ۱/۱۰ ملی میٹر سے بھی کم ہوتا ہے۔ ان خلیوں کی وہی تاثیر ہوتی ہے، جن کی وجہ سے پتھر کی عمارتوں پر کائی جم جاتی ہے۔

اسفنج خشک ہونے کے بعد ننھے ننھے بیجوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ جسے سائنس داں اسفنج کے انڈے کہتے ہیں، جو دوسرے حیوانات کے انڈوں کی طرح مادہ اسفنج کے پیٹ سے نکلتے ہیں۔ جھیلوں کے اندر پیدا ہونے والا اسفنج اگرچہ شکل و صورت میں پودوں سے ملتا جُلتا ہوتا ہے، لیکن خورد بین سے بغور دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اسفنج جو قریب قریب ہوتا ہے، ان کے خلیوں کی ساخت میں کسی قدر فرق ہے۔ ان دو اسفنجوں میں ایک نر ہوتا ہے اور دوسری مادہ۔ تمام مادہ اسفنجوں کے خلیوں کی ساخت یکساں ہوتی ہے اور انڈے یا بیج صرف مادہ اسفنج کے سوکھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔

مادہ اسفنج کے لاتعداد انڈے ہوتے

(باقی ص ۷۴ پر)




# بوڑھی لومڑی کا فیصلہ

پروین ایوب

لومڑی ایک چالاک جانور ہے۔ دنیا کے بہت سے لوگ اس سے واقف ہوں گے اور اس کی چالاکی کے قصے انھوں نے ضرور سنے ہوں گے۔

لومڑی اپنی غذا حاصل کرنے کے لیے بہت سی چالاکیوں سے کام لیتی ہے۔ اس کی چالاکی کا ایک قصہ یہ بھی ہے کہ ایک دن لومڑی کچھ کھانے کی تلاش میں اِدھر اُدھر ماری ماری پھر رہی تھی۔ اُسے کوئی شکار نہ ملا تھا۔ بھوک سے نڈھال تھی۔ شکار کی تلاش میں وہ ایسی جگہ پہنچ گئی، جہاں بہت گھنا جنگل تھا۔ جھاڑیاں ایک دوسرے سے ایسی لپٹی ہوئی تھیں کہ اُن کو ہٹاکر گزرنا مشکل تھا، لیکن بھوک بُری بلا ہے۔ اس میں کسی بات کا ہوش نہیں رہتا۔ لومڑی نے یہی سوچا کہ شاید جھاڑیوں کے اُس پار کوئی شکار مل جائے۔

لہذا اُس نے جھاڑیوں سے نکلنے کی کوشش کی تو پھنس گئی۔ اب وہ اور زیادہ پریشان ہو گئی کہ اس مصیبت سے کس طرح چھٹکارا حاصل کروں۔

اس نے اپنے کو آزاد کرنے

کی ہر ممکن کوشش کی۔ خوب اچھلی کودی۔ اس کا جسم تو نکل گیا، لیکن اس کی دُم کسی طرح پھنس گئی۔ جب اُس نے اپنی دُم کو نکالنے کے لیے زور لگایا تو دُم ٹوٹ گئی اور لومڑی بغیر دُم کے رہ گئی۔

اب اُسے شکار کے بجائے اپنی دُم کی فکر ہوگئی۔ وہ بغیر دُم کے بہت بُری معلوم ہورہی تھی، مگر اس نے سوچا کہ چلو اچھا ہوا۔ یہ آفت میری جان پر آئی تھی، جو خدا کے فضل سے صرف دم پر ہی ٹل گئی۔ یہ سوچ کر گرتے پڑتے اس نے اپنے جنگل کا رستہ لیا اور اپنی قوم میں پہنچی۔

لومڑیوں میں پہنچ کر سب کے ساتھ جب اس نے اپنے آپ کو بغیر دم کے دیکھا تو بہت شرمندہ ہوئی اور بہت غمگین ہوئی۔ اس نے سوچا کہ اس شرمندگی سے بہتر تو یہ تھا کہ میں مرجاتی اور قوم کو منھ نہ دکھاتی، لیکن اب کیا ہو۔ اب تو جو کچھ ہونا تھا ہوگیا۔

اس نے سوچا کہ اپنی بات رکھنے کے لیے کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہیے کہ میرا عیب چھپ جائے۔ وہ ایک طرف جاکر سوچنے لگی کہ کون سی ایسی ترکیب کروں اور کون سی بات بناؤں کہ میری وضع سب اختیار کرلیں۔ کافی دیر سوچ بچار کے بعد ایک ترکیب اس کی سمجھ میں آگئی۔

وہ خوشی سے اُچھل پڑی اور دل میں سوچا کہ میں ایسی بات سب کو جمع کرکے بتاؤں گی کہ سب میری طرح اپنی دم کٹوادیں گے اور میری ہی طرح کے ہوجائیں۔

شام ہوگئی تھی۔ لومڑی نے رات کسی طرح بے قراری سے گزاری۔ صبح ہوتے ہی سب کو ایک ایک کرکے اپنے پاس جمع کیا۔ جب ساری لومڑیاں جمع ہوگئیں تو اس نے سب سے کہا کہ "اب تم سب لوگ برائے مہربانی خاموش بیٹھو۔ میں تم سب کو اپنی بات بتاؤں گی کہ تمھاری خوب صورتی اب سے دوگنی ہوجائے گی اور تم اپنی خوب صورتی پر فخر محسوس کروگی"۔

سب لومڑیاں خاموش ہوگئیں تو لومڑی نے اپنی بات شروع کی۔ اس

نے کہا،

" دیکھو، میں نے ایک نئی وضع نکالی ہے، تاکہ میرے بدن کی خوب صورتی بڑھ جائے۔ یہ طریقہ جو میں نے نکالا ہے، بہت اچھا ہے۔ میں تم سب کی خیر خواہ ہوں اور تمھیں یہ رائے دینا چاہتی ہوں کہ تم سب اپنی اپنی دُمیں کاٹ ڈالو۔ دُم سے کسی جانور کو کوئی فائدہ نہیں۔ سب سے زیادہ ناکارہ لومڑی کی دُم ہوتی ہے۔ اس بوجھل دُم سے بڑی مصیبت رہتی ہے، لہٰذا اس دُم کو جو خوب صورتی میں کمی کرتی ہے، کاٹ ڈالو۔ اس بوجھل دُم کے نہ ہونے سے ایک بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ بدن خوب صورت نظر آتا ہے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جب کبھی بھاگنے کا موقع سامنے آجائے تو نہایت آسانی سے بھاگ سکیں، اس لیے میں نے پہلے اپنی دُم کاٹ کر آزمالی ہے۔ مجھے تو اس میں بڑا آرام حاصل ہوا ہے اور یہ طریقہ بھی بہت اچھا ہے۔ جب سے میں نے اپنی دُم کاٹ کر پھینک دی ہے، تب سے بہت آرام اور چین سے زندگی بسر کرتی ہوں۔ کبھی ایسا آرام مجھے میسّر نہیں ہوا تھا، جیسا اب ہے۔"

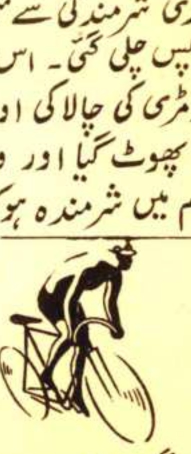
لومڑی نے اپنا سارا لکچر ختم کیا اور سب کا منھ دیکھ کر یہ انتظار کرنے لگی کہ کسی طرف سے کوئی جواب ملے۔ دیکھوں کتنی لومڑیاں میری اس رائے سے اتفاق کرتی ہیں اور میری وضع اختیار کرتی ہیں۔

اتنے میں ایک بوڑھی لومڑی جو اپنے مکر و فریب اور چالاکی میں سب سے بڑھ چڑھ کر تھی اور چوری کے فن میں بھی ایک ہی تھی، دُم کٹی لومڑی کی بات سُن کر بولی،

" اب تم اپنی بات ختم کرو۔ زیادہ بولنا ٹھیک نہیں ہوتا ہے۔ زیادہ بولنا یا بات کرنا بے وقوفی کی نشانی ہے۔ کیا تم چاہتی ہو کہ تمھاری طرح سب بے وقوفی کریں؟ اور اپنی دُمیں کٹوا دیں۔ دُم کٹنے سے خوب صورتی بڑھے گی نہیں، بلکہ اور بُری صورت معلوم ہوگی تمھاری اس بات نے میرے دل کو

بہت دُکھایا ہے۔ مجھے تمھاری اس بات سے بہت تکلیف پہنچی ہے۔ بس تمھاری عقل مندی سارے جہاں پر ظاہر ہوگئی ہے۔ اب زیادہ چالاکی اور عقل مندی مَت دِکھاؤ تمھارا جیسا عقل مند دنیا میں پیدا ہونا مشکل ہے اور تمھاری جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ تم کو دُم کے ٹوٹنے سے بڑا فائدہ اور آرام حاصِل ہوا ہوگا، لیکن ہمیں ایسے فائدے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب ہم پر کوئی ایسا اتفاق ہوگا تو ہم بھی اپنی دُمیں کاٹ ڈالیں گے۔"

یہ سُن کر دُم کٹی لومڑی اپنا سا مُنھ لیے بڑی شرمندگی سے منھ لٹکائے ہوئے واپس چلی گئی۔ اس طرح دُم کٹی لومڑی کی چالاکی اور مکاری کا بھانڈا پھوٹ گیا اور وہ اپنی ساری قوم میں شرمندہ ہوکر رہ گئی۔



بقیہ: اسفنج کیا ہے؟

ہیں، لیکن ان کی بہت بڑی تعداد ضائع ہوجاتی ہے۔ پانی کے بہت سے جانور خصوصاً مچھلیاں ان انڈوں کو نگل جاتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو جھیلوں اور سمندروں میں ہر طرف اسفنج ہی اسفنج نظر آئے۔

سمندروں میں پیدا ہونے والے اسفنجوں میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کا رنگ عام پودوں کی مانند ہرا نہیں ہوتا، بلکہ وہ مختلف رنگوں کے ہوتے ہیں۔ گہرے سمندروں میں پیدا ہونے والے اسفنجوں میں نر، مادہ کی شناخت آسان ہوتی ہے اور ان کے جسم کی ساخت کا فرق بھی نمایاں ہوتا ہے۔

---

راشد: (عابد سے) بھئی سنا تم نے کل سراج کا ہارٹ فیل ہوگیا!

عابد: (راشد سے) کوئی بات نہیں اگلے سال پاس ہوجائے گا

(رفیعہ سلطان۔کراچی)

# چیونٹیوں کے پر

رزاق محمود

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی ملک کا سوداگر اپنے نوعمر لڑکے کے ساتھ جدہ میں گیا۔ گھومتا پھرتا وہ جدہ کے قاضی کی عدالت میں جانکلا۔ اس کا نوعمر لڑکا اُس وقت بھی اس کے ساتھ تھا۔ قاضی ایک خوب صورت موٹا اور بوڑھا آدمی تھا۔ وہ بہت کم بولتا تھا، مگر انصاف پوری ایمان داری سے کرتا تھا۔ اس لیے سب لوگ اس کی تعریف کرتے تھے۔

قاضی کی عدالت مسجد کے صحن میں لگا کرتی تھی۔ کئی سوداگر وہاں پہلے سے چٹائیوں پر بیٹھے تھے۔ یہ سوداگر اور اس کا لڑکا بھی قریب ہو کر بیٹھ گئے۔ پہلا مقدمہ ایک بنیے کا تھا جو حال ہی میں ہندستان سے آیا تھا اور شہر کے ایک سوداگر نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا تھا۔ بنیا کہہ رہا تھا، "حضور! میرا باپ بہت سی قیمتی چیزیں اور کافی ہیرے چھوڑ کر مرا تھا۔ میں اُن ہیروں کو مصر میں لانا چاہتا تھا تاکہ مناسب قیمت حاصل کر سکوں، مگر بحری سفر کے دوران طوفان نے گھیر لیا اور مجھے مجبوراً جدہ میں ٹھہرنا پڑا۔ یہاں مجھے رُپوں کی ضرورت پڑی اور میں بازار میں ہیرے بیچنے گیا۔ میری ملاقات بزید سے ہوئی۔ اس نے میری خوب آؤ بھگت کی اور یہ جاننے کے بعد کہ میں ہیرے بیچنے آیا ہوں اُس نے میرے ہیرے خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا، لیکن سب ہیرے دیکھنے کے بعد کہنے لگا کہ یہ تو معمولی قیمت کے کانچ کے ٹکڑے ہیں، ایسے نقلی ہیرے تو میرے پاس پہلے بھی بہت پڑے ہیں۔ اپنا اعتبار جتانے اور سچائی ظاہر کرنے کے لیے اس نے ایک صندوق سے میرے ہیرے سے تین گنا بڑا ایک ہیرا نکال کر میرے نوکر کو دیا اور کہا، 'اسے لے جاؤ اور بازار میں اس کی قیمت معلوم کر دو۔'

یہ دیکھ کر مجھے افسوس ہوا۔ دل میں سوچنے لگا کہ میں تو امیر آدمی بننے آیا تھا، مگر اب تو غریب کا غریب ہی واپس جاؤں گا۔

اس فکر سے میرے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔ یزید اس افسردگی کو سمجھ گیا اور کہنے لگا، "ہمت مت ہارو میرے دوست! میرے پاس اپنے ہیرے چھوڑ جاؤ۔ میں تمھیں بہر حال دوسروں سے زیادہ ہی ان کی قیمت ادا کروں گا۔ تم جدّہ میں جو چیز بھی پسند کرو۔ لے لو! میں اس چیز کو تمھارے ہیروں کے وزن کے برابر تول کر دو گھنٹے کے اندر دے دوں گا۔ میں گھبرایا ہوا تو تھا۔ اس بات کو غنیمت جانا، لیکن جب میں اپنی قیام گاہ پر گیا اور سارے معاملے پر اطمینان سے غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ یزید نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ چناں چہ میں فوراً ہی اس کے پاس گیا اور اپنے ہیرے طلب کیے، لیکن اس نے ہیرے دینے سے انکار کر دیا۔ اب میں آپ کے حضور میں انصاف کے لیے حاضر ہوا ہوں۔"

بنیے کی بات ختم ہوئی تو قاضی نے ملزم کی طرف دیکھا اور کہا، "تم اس معاملے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟" یزید بولا، "یہ سچ ہے کہ میں نے اس کے ساتھ ایسا سودا کیا ہے اور اسے پورا کرنے کے لیے میں اب بھی تیار ہوں، لیکن باقی کی ساری بات اس نے اپنی طرف سے گھڑلی ہے۔ میں نے اسے ہیرے چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا تھا، بلکہ یہ خود اپنی مرضی سے چھوڑ گیا تھا۔ جناب! اس میں دھوکے والی کون سی بات ہے؟" یزید کی بات سن کر قاضی نے نوجوان بنیے سے کہا، "کیا تمھارا کوئی گواہ ہے؟" بنیے کا کوئی گواہ نہ تھا۔ اس لیے یزید پر الزام ثابت نہ ہو سکا۔ یزید نے کہا "میرے اور بنیے کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے اُسے میں اب بھی پورا کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

سوداگر کا لڑکا ساری باتیں غور سے سن رہا تھا۔ وہ بنیے کے پاس گیا اور کہنے لگا، "کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں؟"

بنیے نے کہا، "اگر کر سکتے ہو تو ضرور کرو۔ میں تمھارا بہت احسان مند ہوں گا، مگر تم تو ابھی بچے ہو!"

"بچہ ہوں تو کیا ہوا۔ آپ مجھ پر اعتبار کریں۔ سب معاملہ درست ہو جائے گا۔ آپ یزید کی مان جائیں، پھر میں آپ کو بتاؤں گا کہ ہیروں کے تبادلے میں کون سی چیز لی جائے۔" بنیے نے لڑکے کی بات مان لی اور قاضی سے

کہا، "میں اس سودے پر راضی ہوں۔"
قاضی نے یزید سے کہا، "تمھارے پاس بنیے کے جو ہیرے ہیں اُن کا وزن کرالو اور اُن کے برابر وہ چیز دے دو جو یہ طلب کرے۔" یزید نے ہیرے قاضی کو دے دیے۔ قاضی نے خود ان کا وزن کیا اور یزید سے کہا، "بنیا جو چیز پسند کرے اس وزن کے برابر تول کر دے دو اور اس کے ہیرے رکھ لو، مگر معاہدے کے مطابق وہ چیز دو گھنٹے کے اندر اندر اُسے مل جانی چاہیے۔" سوداگر کے لڑکے نے بنیے کی طرف سے کہا، "ہمیں چیونٹیوں کے پر چاہییں۔ آپ کے پاس دو گھنٹے کا وقت ہے۔ اس وقت کے اندر اندر ہمیں ہیروں کے وزن کے برابر چیونٹیوں کے پر لا دیجیے۔"
یہ الفاظ سنتے ہی یزید کا منھ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ چلّایا، "یہ ناممکن ہے۔ چیونٹیوں کے اتنے پر تو کئی مہینوں کے اندر بھی جمع نہیں ہو سکتے!"
قاضی نے پوچھا، "کیا جدّہ میں پردار چیونٹیاں نہیں ہیں؟" سوداگر کے لڑکے نے جواب دیا، "حضور والا! ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ ہر وقت ہمارے گھروں میں چلتی پھرتی رہتی ہیں۔ ہم یزید کے بہت شکر گزار ہوں گے اگر وہ ہمیں ان سے نجات دلا دے۔" قاضی نے کہا، "یزید! یا تو اپنا عہد پورا کرو یا پھر ان کے ہیرے واپس کر دو!"
یزید نے بہت سوچا، مگر کوئی بھی ترکیب اُس کے دماغ میں ایسی نہ آسکی، جس سے وہ چیونٹیوں کے اتنے پر دو گھنٹے کے اندر بنیے کو دے سکتا۔ اس نے سوچتے سوچتے ہی دو گھنٹے کا وقت گزار دیا اور آخر کار ہیرے بنیے کو واپس کر کے ندامت سے گردن نیچی کیے مسجد سے باہر چلا گیا۔
بنیے نے جب دوبارہ اپنے ہاتھوں میں ہیرے دیکھے تو از حد خوش ہوا۔ اُس نے ان میں سے تین خوب صورت ہیرے اٹھا کر سوداگر کے لڑکے کو انعام میں دیے اور اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ عدالت میں جو لوگ جمع تھے، انھوں نے بھی لڑکے کی عقل مندی کی بہت تعریف کی۔

# برف کے تودے




برف کا تودہ جتنا پانی کے اوپر نظر آتا ہے، اس سے نوگنا زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا نواں حصّہ پانی کے اندر رہتا ہے۔ اگر اس برف کے حصّے میں کوڑے اور پتّھر کا حصّہ بھی شامل ہو جائے تو اس سے بھی زیادہ پانی کے اندر ہوتا ہے۔ قطب جنوبی کے بعض برف کے تودے دو سو فیٹ اُونچے ہوتے ہیں، مگر ان کی لمبائی پانی کے اندر پینتالیس ۴۵ میل لمبی ہوتی ہے۔ سائنس داں بتاتے ہیں کہ برف کے تودے ہزاروں سال میں بنتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جمے ہوئے برف سے ایک بڑا تودہ بنتا ہے۔ جب برف کے حصّے بڑے تودے سے گرم پانی کی وجہ سے علیحدہ ہوتے ہیں تو پانی میں اُبال آتا ہے، اِس طرح جیسے سوڈے کی بوتل سے سوڈا گلاس میں ڈالتے وقت بلبلے نکلتے ہیں۔ اس کی وجہ وہ ہَوا ہے، جو برف کے اندر بند ہوجاتی ہے اور پھر ایک دَم باہر آتی ہے۔ کبھی کبھی بڑے زور کے دھماکے کے ساتھ بھی ہَوا نکلتی ہے۔ کچھ برف کے تودے سبزی مائل بھی ہوتے ہیں اور بعض کالے بھی ہوتے ہیں، کیوں کہ سبزے کا کچھ حصّہ اس میں شامل ہوجاتا ہے۔ برف کے تودوں کے اتنے بڑے ہونے کی وجہ سے ہی پانی کے جہازوں کو اُن سے خطرہ رہتا ہے۔ ۱۴ اپریل ۱۹۱۲ء کو رات کے وقت ایک برف کے تودے نے، جو ایک میل لمبا تھا، ٹائٹانک نامی جہاز کو تباہ کردیا تھا، جس کی قیمت اس وقت پچھتّر لاکھ پونڈ تھا۔ یہ حادثہ بحرِ اوقیانوس میں ہوا تھا۔ جہاز میں دو ہزار تین سو آدمی تھے، اُن میں سے صرف سات سو چھے باقی بچے تھے۔ برف کے تودے زیادہ تر گرین لینڈ کی طرف سے شمالی اوقیانوس میں آتے ہیں۔ یہ اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ دو ہزار میل کا سفر پانی میں طے کرنے کے بعد گھلتے ہیں۔ یہ تودے عموماً اپریل، مئی اور جون میں اپنے سفر پر روانہ ہوتے ہیں اور شمالی اوقیانوس کے اس حصّے میں پہنچ جاتے ہیں، جو جہازرانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس زمانے میں جہازوں کے لیے یہ راستہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ رات کے وقت برف کا تودہ سفید روشنی سے چمک اٹھتا ہے۔ اس کی وجہ وہ شعاعیں ہیں، جو آسمان سے برف کے تودے پر پڑتی ہیں۔

# ۲۰ ہزار سال کا مزے دار باسی گوشت

آسٹریلیا میں آج کل ایک بہت مزے دار بحث چل رہی ہے۔ بحث اس بات پر ہو رہی ہے کہ آج سے پانچ سو سال بعد جو لوگ اس زمین پر بس رہے ہوں گے کیا وہ بھی وہی کھانے کھائیں گے، جو آج کل ہم لوگ کھاتے ہیں۔

• یہ بحث اس طرح شروع ہوئی کہ سڈنی میں پچھلے دنوں ایمبلی آرکیڈ نام کی ایک عمارت بنائی گئی ہے۔ اس عمارت کے تہہ خانے میں ایک خاص خول کے اندر کھانے کی کچھ چیزیں رکھ دی گئی ہیں۔ یہ چیزیں اس طرح محفوظ کر دی گئی ہیں کہ پانچ سو سال تک خراب نہ ہوں اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ۲۴۶۵ء میں اگر اس خول کو وہاں سے نکال لیا جائے تو اس زمانے کے لوگوں کو یہ معلوم ہو سکے کہ پانچ سو سال پہلے یعنی آج کل ہم لوگ کس قسم کے کھانے کھاتے ہیں اور ان کا ذائقہ کیا ہے۔ اس خول میں کھانے کی جو چیزیں رکھی گئی ہیں، ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اُنھیں پانچ سو سال بعد گرم کر کے کھایا جا سکے گا اور وہ اس وقت بھی بالکل تازہ ہوں گی، لیکن آسٹریلیا کے بہت سے سائنس دانوں کا خیال یہ ہے کہ یہ کھانے کی چیزیں خواہ ایک ہزار برس تک ٹھیک رہیں، لیکن اُنھیں کھایا نہیں جائے گا۔ سائنس داں کہتے ہیں کہ پانچ سو سال بعد سائنس بہت ترقی کر چکی ہو گی۔ اس وقت لوگ اپنے آپ کو صحت مند رکھنے اور زندہ رہنے کے لیے جو غذا استعمال کریں گے وہ آج کے کھانوں سے بہت مختلف ہو گی اور ۲۴۶۵ء میں کوئی شخص اس کوڑے کرکٹ سے اپنی صحت خراب نہیں کرے گا، جسے ہم کھانا کہتے ہیں۔

سائنس دانوں کی اس دلیل کے جواب میں ایک تاریخ داں مسٹر گس لنڈر نے کہا ہے

کہ معلوم ہوتا ہے یہ سائنس داں اس شان دار دعوت کو بھول چکے ہیں، جو ۱۹۰۸ء میں سینٹ پیٹرزبرگ میں ہوئی تھی۔ اس دعوت میں کھانے کی جتنی بھی چیزیں تھیں، ان میں ایک بھی ایسی نہ تھی جو ایک ہزار سال سے پرانی نہ ہو۔

سینٹ پیٹرزبرگ کی تاریخی دعوت واقعی بے حد دل چسپ دعوت تھی۔ اس دعوت میں سب سے پرانی چیز جسے سب ہی نے کھایا وہ سائنس دانوں کے اندازے کے مطابق ۲۰ ہزار سال پرانی تھی۔ ۲۰ ہزار سال پرانی یہ چیز پتھر کے زمانے کے ایک دیوہیکر جانور کا گوشت تھا۔

یہ جانور سائبیریا کی برف میں دب کر ہلاک ہو گیا تھا۔ شدید سردی اور برف میں دبا ہوا ہونے کی وجہ سے وہ گلا سڑا نہیں۔ چناں چہ ۱۹۰۸ء میں جب اسے سائبیریا میں برف سے کھود کر نکالا گیا تو وہ بالکل تازہ تھا۔ اور تو اور اس کے پیٹ میں وہ گھاس تک موجود تھی، جو اس نے مرنے سے پہلے کھائی تھی اور ہضم نہ ہو سکی تھی۔

جن لوگوں نے اس جانور کا گوشت کھایا تھا اُن کا کہنا ہے کہ وہ پہاڑی بکرے کے گوشت کی مانند نرم اور مزے دار تھا۔

---

# دُنیا کے ممالک

قرۃ العین۔ لاہور

| ملک | رقبہ | صدر مقام | مشہور پیداوار |
|---|---|---|---|
| افغانستان | ۲۵۰۰۰۰ مربع میل | کابل | کافی، کھالیں، پھل، اون اور قالین |
| سعودی عرب | ۶۰۰۰۰۰ 〃 | ریاض | تیل، اون اور گھوڑے |
| آسٹریلیا | ۲۹۷۵۸۱ 〃 | کینبرا | اون، گندم، سونا |
| چین | ۳۳۸۱۰۰۰ 〃 | پیکنگ | خام روئی، خام ریشم، تیل اور چائے |
| فرانس | ۲۱۳۰۰۰ 〃 | پیرس | شراب اور کپڑا |
| ہندستان | ۱۰۵۵۰۰۰ 〃 | نئی دہلی | چاول، کپاس، چائے، کھالیں |
| ایران | ۶۲۸۰۰۰ 〃 | تہران | پٹرول، قالین اور پھل |
| جاپان | ۱۴۸۰۰۰ 〃 | ٹوکیو | ریشم، کپاس، کوئلہ، چینی کے برتن اور مشینری |

# شہد

فِیہِ شفاءُ لِلنّاس

اِس میں انسانوں کے لیے شفا ہے

شہد انسان کے لیے قدرت کا ایک بیش قیمت عطیہ ہے۔ صحت قائم رکھنے اور جسمانی نشو و نما کے لیے اس لطیف، زود ہضم اور مقوّی غذا کا کوئی نِعم البدل نہیں۔

۴ اونس کے ٹیوب میں
پیک کیا ہوا ہمدرد کا خالص مُصفّا شہد
پورے اعتماد سے استعمال کیجیے۔




ہمدرد کے ہر سیلز ڈپو، عام دکانوں
اور کیمسٹوں کے ہاں ملتا ہے

HAMDARD FRUIT PRODUCTS PAK.
HFP
LAHORE



بچوں کے لیے ایک نعمت ہے


کارمینا
"کارمینا" کی ہاضم اور مزے دار ٹکیاں بچوں کے ہضم کو ہمیشہ صحیح رکھتی ہیں۔
بچے کھانا کچھ ہی کھائیں، کھانے کے بعد "کارمینا" کی ایک مزے دار ٹکیہ اکسیر کا
حکم رکھتی ہے۔ انکو بدہضمی ہوگی نہ دست آئینگے اور نہ ہی شول یا درد شکم کی
کوئی اور تکلیف ہوگی۔ انکے اعضائے ہضم ٹھیک کام کریں گے۔
اور وہ ہمیشہ چست اور تندرست رہیں گے۔
ہمدرد
ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان




# بنی اسرائیل کا چاند

فہمیدہ اختر

اب سے ہزاروں سال پہلے مصر میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا، اُس کا نام فرعون تھا۔ وہ بہت ظالم تھا اور اپنی قوم بنی اسرائیل کو ہمیشہ ستاتا اور طرح طرح کی سختیاں کرتا رہتا۔ اس کی سلطنت بہت بڑی اور خزانے میں بے شمار دولت تھی۔ اس کی فوج بھی بے حد و حساب تھی۔ رعایا اس کے ظلم اور سختیاں سہتی اور اس کے خلاف بغاوت کی ہمت نہ کرسکتی۔ اس کی فوجی طاقت سے سب کو خوف آتا تھا۔

فرعون کو اپنی دولت اور طاقت کا اتنا غرور ہوگیا کہ اُس نے خدائی کا دعو کر دیا اور رعایا کو مجبور کیا کہ اُس کو خدا مانیں اور سجدہ کریں۔

فرعون کو ایک نجومی نے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل کی قوم میں ایک شخص کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوگا، جو اس کی قوت کو شکست دے گا اور اس سے سلطنت چھین کر ساری قوم کو اپنا مطیع کرلے گا۔ چناں چہ فرعون نے حکم دیا کہ اس کے سپاہی گھر گھر رات دِن گھوم پھر کر پتہ لگایا کریں کہ کس گھر میں نیا بچّہ پیدا ہوا ہے۔ جس کے گھر بیٹا پیدا ہو اسے زبردستی اُٹھا لائیں اور میرے سامنے قتل کردیں۔ جس کے بیٹی ہو اُس سے کچھ

نہ کہیں۔ نتیجہ یہ کہ لوگ دُعائیں مانگا کرتے کہ ہمارے گھر بیٹا پیدا نہ ہو، تاکہ ہمیں اولاد کے قتل ہونے کی مصیبت نہ دیکھنی پڑے۔

خدا کا کرنا کہ ایک گھر میں ایک رات لڑکا پیدا ہوا، ماں کو فکر ہوئی کہ ابھی فرعون کے سپاہی آئیں گے اور اسے قتل کرنے لے جائیں گے۔ وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ غیبی آواز سُنائی دی۔ اللہ پاک کا ارشاد ہوا کہ "اس بچے کو دریائے نیل میں بہا دو اور اس کی زندگی کی فکر نہ کرو۔ اس کی جُدائی کا غم نہ کرو۔ بہت جلد ہم تمھیں تمھارے بیٹے سے ملا دیں گے اور اُسے بڑا رتبہ دیں گے۔"

ماں کو تسلی ہوئی اور ایک صندوق میں بچہ کو بند کر کے راتوں رات دریائے نیل میں ڈال دیا۔ یہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس سے گزرا، جو دریا کے کنارے تھا۔ فرعون کی ملکہ نے کھڑکی سے ایک صندوق دریا کی لہروں پر بہتا ہوا دیکھا اور آدمی بھیج کر اُسے منگوایا۔ جب ملکہ نے یہ صندوق کھولا تو حیران رہ گئی۔ دیکھا کہ اس میں ایک ننھا منّا چاند سا بچہ لیٹا ہے۔ اس ملکہ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اسے اس معصوم بچّے پر بڑا پیار آیا اور اُس نے اپنا بیٹا بنا کر اُسے پال لیا۔

اب اس بچے کو دودھ پلانے کے لیے انا کی تلاش ہوئی ایک ایک کر کے بہت سی عورتیں آئیں، لیکن اس بچے نے کسی عورت کا دودھ نہ پیا۔ جو عورت دودھ پلانا چاہتی، بچہ روتا اور منھ پھیر لیتا۔ آخر ایک شخص ایک عورت کو لایا۔ عورت نے بچے کو دیکھا دل میں خوف سے کانپنے لگی۔ کیوں کہ اس نے اپنے بچے کو پہچان لیا اور بچّے نے ماں کو بھی پہچانا۔ کیوں کہ اس کا دودھ خوشی خوشی پینے لگا۔ خدا نے جلد ہی ماں سے بیٹے کو ملا دیا اور وہ فرعون کے محل میں اپنی ہی ماں کی گود میں پرورش پانے لگا۔ فرعون کو کیا خبر، اللہ پاک کی قدرت اور طاقت کیسی عجیب ہے۔

کئی سال گزر گئے۔ بچہ بڑا ہو گیا۔ اور آخر ایک دن جوان ہوا۔ یہ مصر کے بازار میں ایک روز سیر کرتا پھر رہا تھا کہ فرعون کے ایک آدمی نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کو سرِ بازار بہت بُری طرح مارا۔ اس رحم دل نوجوان کو یہ دیکھ کر بڑا دُکھ ہوا۔ غصے میں آپے سے باہر ہو گیا اور اس

ظالم آدمی کے سر پر اتنی زور سے مُکّہ رسید کیا کہ وہ اسی وقت گر کر مر گیا۔ نوجوان ڈر کے مارے مصر سے بھاگ کر مدین کے علاقے میں چلا گیا اور وہاں رہنے لگا۔ یہاں رہ کر بکریاں چرانے اور اپنا پیٹ پالنے لگا۔ کچھ دِنوں بعد شادی کر لی اور اس طرح یہاں آٹھ برس گزارے۔

اب نوجوان کو اپنی ماں کی یاد ستانے لگی اور ایک دن ایک قافلے کے ساتھ مدین سے روانہ ہو کر مصر پہنچنے کا ارادہ کیا۔ رات کو یہ قافلہ راستے میں ایک پہاڑی علاقے میں ٹھہر گیا۔ وہاں اچانک آندھی آئی اور موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ بارش تھمی تو سردی کے مارے لوگوں کے ہاتھ پاؤں اور سارے جسم اکڑنے لگے اور چاروں طرف نظریں دَوڑانے لگے کہ کہیں آگ مل جائے تو تاپ کر بدن گرم کریں۔

یہ طور پہاڑ کا علاقہ تھا، جہاں سے تھوڑے فاصلے پر پہاڑ تھا۔ قافلے کے دوسرے لوگ وہیں ٹھہرے رہے۔ اور یہ نوجوان آگ لینے پہاڑ پر چلا گیا۔

ہمارے ننھے مُنّے پڑھنے والے دوستوں میں سے شاید اکثر سمجھ گئے ہوں گے کہ اس نوجوان کا نام کیا تھا؟ اگر نہیں سمجھے تو اب پہچان لوگے۔ پہاڑ کے پاس پہنچتے ہی غیبی آواز آئی،

"اے موسیٰ! میں تیرا خدا ہوں اور اس جہان کا مالک ہوں۔"

پھر اللہ پاک نے فرمایا "اے موسیٰ! تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟"

جواب دیا، "یہ میری لاٹھی ہے۔ میں اس سے سہارا لیتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کو کھلانے کے لیے پتے جھاڑتا ہوں۔"

حکم ہوا "اس لاٹھی کو زمین پر ڈال دو۔" لاٹھی کا زمین پر ڈالنا تھا کہ وہ ایک بہت بڑا سانپ بن گئی۔ موسیٰ ڈر گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا،

"ڈرو مت، یہ تمھاری پیغمبری کی نشانی ہے۔ اب تم اسے زمین سے اُٹھالو۔" لاٹھی کو اُٹھایا تو وہ اپنی اصلی حالت پر آگئی اور حضرت موسیٰؑ جو آگ لینے پہاڑ پر گئے تھے، وہ اللہ کے نور کی روشنی اور پیغمبری کا تحفہ لے کر آئے۔

اب اللہ پاک کے حکم سے حضرت موسیٰؑ مصر آئے اور لوگوں کو اچھی باتوں کی تعلیم

دینے لگے اور بُرائیوں سے منع کرتے۔ جب انھوں نے لوگوں سے کہا کہ "مجھے خدا نے اپنا نبی اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تاکہ میں تم کو سچّے اور پاک خدا کی عبادت کرنا سکھاؤں اور اس کی تعلیم سے تم لوگوں کو نیکی اور سچائی کا راستہ دکھاؤں، جو کل زمین اور آسمان کا پیدا کرنے والا اور سارے جہان کا مالک ہے" تو لوگ اُن کی سچی باتوں پر دھیان دینے لگے۔ فرعون کو بھی یہ خبر ملی۔ اس نے حضرت موسیٰؑ کو بلایا اور کہا،

"ہم اس بات کا کیوں کر یقین کریں کہ تم خدا کے نبی ہو۔ اگر تمھارے پاس کوئی نشانی ہے تو ہمیں دکھا کر ثبوت دو۔"

موسیٰؑ نے اسی وقت اپنی زمین پر ڈال دی اور معجزہ دکھایا۔ لاٹھی سانپ بن کر زمین پر رینگنے لگی۔

فرعون نے فوراً کہا، "یہ پیغمبری نہیں جادو ہے۔ تم جادوگر ہو۔"

چُناں چہ موسیٰؑ کے جادو کو توڑنے کے لیے فرعون نے ملک کے چپّے چپّے سے بڑے بڑے جادوگروں کو جمع کیا اور اُن سے بھاری انعام دینے کا وعدہ کر کے کہا کہ تم اپنے جادو کے زور اسی طرح کے نئے شعبدے دکھاؤ۔

جادوگروں نے اپنے اپنے جادو کے زور سے ایک کی جگہ کئی کئی سانپ پیدا کر ڈالے اور فرعون کے دربار میں سانپ ہی سانپ رینگتے نظر آنے لگے۔ اب حضرت موسیٰؑ کی باری جو آئی تو انھوں نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈالی، جو ایک بہت بڑا سانپ بن گئی اور وہ سانپ جادوگروں کے سارے سانپوں کو آن کی آن میں چٹ کر گیا۔ تمام جادوگر اسی وقت سجدے میں گر پڑے اور ایمان لے آئے کہ پرستش کے لائق صرف ایک خدا ہے، جس نے موسیٰ کو اپنا نبی بنایا اور نبوت کا معجزہ بخشا۔ فرعون نے اپنی اس شکست سے جل کر بنی اسرائیل پر پہلے سے زیادہ ظلم کرنا شروع کر دیا اور خدا کو برحق اور موسیٰؑ کو خدا کا پیغمبر ماننے والوں کی زندگی عذاب کر دی۔ کیوں کہ فرعون نے اپنی خدائی بنا رکھی تھی اور وہ خود ہی خدا بنا بیٹھا تھا۔ اب لوگوں نے اُسے پوجنا چھوڑ دیا تھا۔

آخر خدا نے اپنے نبی حضرت مُوسیٰؑ اور اُن کے ماننے والوں کی حفاظت کے لیے

حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ تم ساری قوم کو ساتھ لے کر مصر سے باہر چلے جاؤ۔ ایک رات موسیٰؑ سب لوگوں کو لے کر روانہ ہوگئے۔ فرعون کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ ایک بھاری لشکر کے ساتھ ان کے پیچھے گیا کہ راستے میں روک کر سب کو قتل کر ڈالے۔

جب موسیٰؑ اور بنی اسرائیل نیل دریا کے کنارے پہنچے تو طغیانی آئی ہوئی تھی اور پار اترنا مشکل تھا۔ موسےؑ نے اللہ پاک سے دُعا کی کہ "الٰہی مجھے اور میری قوم کو فرعون کے ظلم سے بچا اور ہماری مدد فرما۔" آواز آئی۔

"اے موسیٰ! ہم اپنے نیک بندوں کی مدد کریں گے اور ظالموں کو ایسی سزا دیں گے کہ ان کا نام ونشان باقی نہ چھوڑیں گے۔ اپنی لاٹھی پانی پر مار اور ہماری قدرت کا تماشہ دیکھ!"

مُوسیٰؑ نے جُوں ہی اپنی لاٹھی دریا میں اُتر کر پانی پر ماری، دریا کا پانی راستہ دے کر ایک طرف ہٹ گیا۔ موسیٰؑ اپنی قوم کو لے کر پار اُتر گئے۔ فرعون یہ دیکھ کر اپنی فوج کے ساتھ دریا میں داخل ہو گیا اور اُن کے پیچھے چلنے لگا، لیکن جب فرعونی لشکر دریا کے بیچ میں پہنچا تو پانی نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور فرعون سارے لشکر کے ساتھ وہیں ڈوب کر مر گیا۔

حضرت موسیٰؑ آرام سے دریا پار کر کے ایک علاقے میں اپنی قوم کو لے کر جا بسے اور چین سے بقیہ زندگی گزار دی۔

خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر ایک کتاب نازل کی جسے "توریت" کہتے ہیں۔ ان کے ماننے والے یہودی یا اسرائیلی کہلاتے ہیں، جو دنیا میں اکثر ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ حضرت موسےؑ کی وفات کے بعد یہ لوگ سچی تعلیم سے پھرنے لگے اور جب دین اسلام پھیلا تو مسلمانوں کے سخت دشمن ہو گئے، لیکن مسلمان اپنے مذہب کے اُصولوں پر سچائی سے قائم ہیں اور حضرت موسےؑ کو خدا کے ایک برگزیدہ بندے اور اس زمانے کے سچے پیغمبر کی حیثیت سے مانتے ہیں۔

خدا کی شان دیکھو کہ جس فرعون نے خدا سے باغی ہو کر ملک کے بچے بچے کا خون بہایا، خدا نے اُسی کے محل میں اس سچے بچے کی پرورش کرائی، جس کے لیے اُس نے ساری قوم کے معصوم بچوں کا قتلِ عام کرایا اور اُس کی اپنی ملکہ کے ہاتھوں اُسے پروان چڑھایا، جو بنی اسرائیل کا چاند بن کر چمکا اور سارے ملک کو سچے اور پاک خدا کے نور سے معمور کر دیا، پھر ایک اشارے پر فرعون اور اُس کا طوفانی لشکر ذرا دیر میں ڈوب کر فنا ہو گیا۔

---




# موتی کی پرکھ

توقیر

آؤ بچو، ہم تمھیں ایک عجیب و غریب کُتّے کا حال سُنائیں۔ نام اور شکل و صورت کے لحاظ سے تو وہ کتا ہی تھا لیکن سمجھ بوجھ اور تمیز اُس میں انسانوں کے برابر تھی اور اُس کی یاد بھی آدمیوں کی طرح تھی۔

اس کا نام موتی تھا اور چوں کہ وہ انگریزی نسل کا تھا اور رہنے والا بھی انگلستان کے ایک قصبے کا، اس لیے انگریزی زبان میں اسے "پرل" کہتے ہیں جس کے معنی موتی ہیں۔

انگلستان میں ایک انجمن قایم ہے جو ہر قسم کے جانوروں کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ اور ان کا علاج اور حفاظت کرتی ہے۔ پرل یا موتی کو بھی ایک مرتبہ اس انجمن میں لایا گیا، اس وقت اس کی عمر صرف چھے مہینے کی تھی۔ وہ دیکھنے میں بہت خوب صورت تھا اور چھوٹی عمر کا ہونے کی وجہ سے ہر وقت اس انجمن کے ہسپتال کے ایک کونے میں اپنے نرم گرم بستر پر سہما ہوا پڑا رہتا تھا۔ کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ اسے ہسپتال کون لایا اور اس کا مالک کون تھا۔ وہ وہاں پندرہ دن رہا۔ اس درمیان میں کئی آدمی

اسے پالنے کے لیے لے گئے اور دو چار روز بعد پھر واپس ہسپتال پہنچا گئے۔ اُنھوں نے بتلایا کہ موتی ہر وقت کیچڑ میں پڑا رہتا ہے۔ ہر چند اُسے صاف ستھرا رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر وہ کودتا پھاندتا کیچڑ میں کھیلنے لگتا ہے۔

آخری بار جب وہ ہسپتال لایا گیا تو وہاں اس وقت ایک عورت موجود تھی۔ وہ اس کو اپنے ساتھ گھر لے گئی اور اپنے پاس رکھ کر پالا پوسا۔ اس عورت نے 'موتی' کی عادتوں کے بارے میں جانچ پڑتال کر کے اس کا حال لکھا ہے:

وہ لکھتی ہے کہ "میں اسے لائی اور اس کا دکھ دکھاؤ کیا، مگر شروع میں وہ اتنا دُبلا پتلا تھا کہ مجھے ذرا بھی امید نہ تھی کہ یہ پالنے کے لائق ہو سکے گا اور اچھا کتا بن سکے گا۔ دیکھنے میں تو وہ خوب صورت اور بھولا بھالا سا تھا، مگر کمزور اور بیمار سا معلوم ہوتا تھا۔ وہ بہت ڈرپوک بھی تھا اور اپنی دُم ٹانگوں میں دبائے رہتا تھا، جیسے اس نے کوئی غلطی کی ہو اور ڈرا سہما پشیمان سا بیٹھا ہو، مگر میں نے اس میں کوئی ایسی بات نہ دیکھی، جس سے اس کے سدھلنے میں مایوسی ہوتی اور میری سمجھ میں کوئی ایسی بات نہ آئی کہ اب تک جن لوگوں نے اُسے واپس کیا، اس کا سبب کیا تھا، کیوں کہ اس کی عادتوں میں سے کوئی ایسی بُری عادت میری سمجھ میں نہ آئی، جو ناپسند کی جائے۔ میری سمجھ میں تو صرف ایک ہی بات آئی کہ شاید وہ اپنے بھولے پن کی وجہ سے لوگوں کی ڈانٹ اور مار کھانے سے اتنا سہم گیا ہے اور اس لیے دن رات چپکا ایک کونے میں سُست پڑا رہتا ہے۔

میں بڑی مستقل مزاجی سے اسے پالتی رہی اور جب میں نے تین مہینے تک اس کے ساتھ رحم اور پیار کا برتاؤ کیا اور اس میں چستی اور پھرتیلا پن آگیا، اس کے بعد میں نے اسے لکھنا پڑھانا شروع کیا۔ اس نے میری بتائی ہوئی باتوں میں سے بہت سی کام کی باتیں سیکھ لیں، یہاں تک کہ بڑے مزے سے دعا مانگنے لگا۔ میں نے اسے تاش کا کھیل بھی سکھایا۔ وہ تاش کے پتے پہچاننے اور انھیں بڑی ہوشیاری سے چُن کر اٹھانے لگا، پھر حروف لکھنا پڑھنا اور باجہ بجانا بھی سیکھ گیا۔ وہ اپنے نام کے حرفوں کو میری بتائی ہوئی ترکیب سے جوڑ کر لکھنے لگا۔ میں

نے حروف جوڑنے اور ملانے اس طرح سکھائے کہ لکڑی پر کھدے ہوئے حرف اس کے سامنے رکھ کر ایک ایک کر کے بتائے۔ وہ انھیں اچھی طرح پہچاننے اور اپنے پنجوں سے حروف کو کھینچ کر نکالنے اور ملانے لگا۔ جب وہ اچھا کام کرتا، تو میں اسے شاباشی دیتی اور کوئی نہ کوئی چیز کھانے کو انعام میں دیتی"۔

یہ عورت موتی کو برابر محنت سے سکھاتی پڑھاتی رہی اور تین مہینے بعد اس نے ہسپتال والوں کو ایک اور خط لکھا جس میں اس کی حالت اس طرح بیان کی:

"موتی نے پچھلے تین مہینوں میں حیرت انگیز ترقی کر لی ہے۔ میں نے اس زمانے میں کچھ ہندسے لے کر جوڑنا سکھایا۔ اب وہ ہندسے جوڑنا اور اُن کی ٹھیک میزان نکالنا سمجھنے لگا ہے۔ اس کے بعد میں نے اس کو تفریق، ضرب اور تقسیم کے قاعدے سکھانے کی کوشش کی، اور وہ ٹھیک جواب دینے لگا۔ اپنے نام کے حروف تو وہ پہلے ہی جوڑنے لگا تھا، اب لفظ "DOG" کے تینوں حروف بھی ملانے لگا ہے۔ یہ لفظ میں نے اسے کئی زبانوں میں سکھا دیے ہیں۔ اب میں تاش کا جس رنگ کا جو پتّہ اس سے مانگتی ہوں مجھے فوراً نکال کر دے دیتا ہے۔ اب اس کی یہ حالت ہے کہ وہ میری زبان اور دل کی بات خوب سمجھنے لگا ہے۔ اگر میں اسے کوئی اچھی بات بتاتی ہوں، وہ فوراً اسی طرح کرتا ہے۔ جب میں کوئی غلط بات سوچتی ہوں وہ بھی غلطی کر بیٹھتا ہے"۔

اس کے بعد وہ عورت موتی کو لے کر انجمن کے ہسپتال گئی اور وہاں سب لوگوں کے سامنے اس کے کھیل کے کرتب دکھائے۔ وہ لوگ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہی ذرا سا کمزور بیمار سست کتے کا بچّہ جو چند مہینے پہلے سہما ہوا دم دبائے ایک طرف پڑا نظر آتا تھا، اب انسانوں کے سمجھ دار بچوں کی طرح بڑی ہوشیاری سے جمع تفریق اور ضرب تقسیم کے سوال صحیح صحیح نکالتا ہے اور عورت کے تمام سوالوں کے درست جواب دیتا ہے۔ اس کے بعد عورت نے کہا کہ جو بات میں دل میں سوچوں گی، وہ موتی سمجھ لے گا اور اس کا صحیح جواب دے گا۔ جب اس نے اینٹ کا رنگ سوچتے سوچتے حکم کا پتّہ دکھانے کو کہا، تو موتی نے اینٹ کے پتّہ پر پاؤں رکھ دیا۔ سب اس کے یہ تماشے دیکھتے رہے۔

عورت موتی کو اسی طرح سکھاتی پڑھاتی رہی، اور وہ نئے نئے تماشے اور کرتب

کرتا رہا، اب وہ بے حد خوب صورت اور کھلنڈرا ہو گیا تھا، جو دیکھتا اُسے پیار کرتا۔

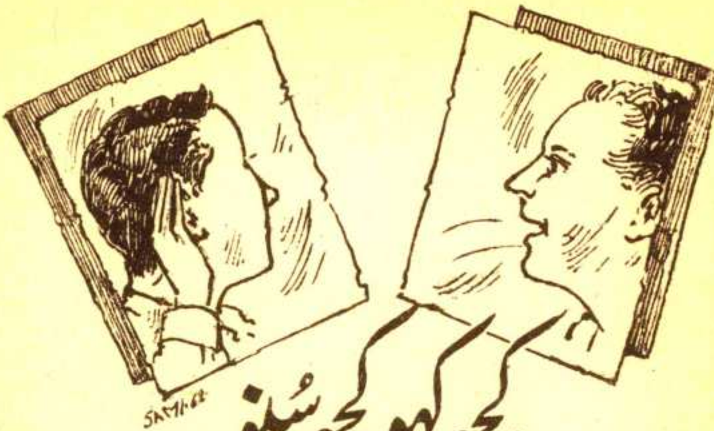
ایک روز اس عورت کے گھر ایک مہمان آیا۔ اُس نے کتے کا تماشا دکھانے کے لیے عجیب عجیب کرتب دکھائے اور اس مہمان کو یہ ماننا پڑا کہ جو بات اس کی مالکہ کے دل میں ہوتی ہے، کتا فوراً اسے انجام دیتا ہے۔

ایک بار موتی کی مالکہ کی ایک سہیلی اس سے ملنے آئی اور موتی کی باتیں سُن کر اس کا امتحان لینے اس کو اپنے پاس لے کر بیٹھ گئی۔ اس نے کتے سے ایک ایک کر کے بہت سے سوال پوچھے۔ اس نے سب کے جواب ٹھیک ٹھیک دیے۔ اس کے بعد اس نے موتی کو ایک جگہ چھوڑ دیا اور دُور بیٹھ کر اپنے دل میں کچھ سوچنا شروع کیا۔ کتے نے فوراً اس کے دل کی سوچی ہوئی بات سمجھ کر اس کا جواب اپنے اشاروں سے دے دیا، وہ سہیلی اس کتے کی سمجھ کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ عورت نے سہیلی کو موتی کے پالنے اور سکھانے پڑھانے کا حال شروع سے آخر تک بتایا، جس سے سہیلی نے یہ نتیجہ نکالا کہ جانور کے پاس بھی انسانوں جیسی عقل اور سمجھ بوجھ ہوتی ہے۔

اگر ہم چھوٹے بچوں کو ان کے بچپن میں ڈانٹیں اور خواہ مخواہ ڈرائیں تو وہ کم عمری ہی سے سہم کر رہ جاتے ہیں اور ان میں جو عقل اور سمجھ کی صلاحیتیں ہوتی ہیں، وہ دب کر رہ جاتی ہیں۔ ان کو اُبھارنے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ پیار محبت سے اُنھیں اچھی باتیں سکھائیں۔ جب جانور سکھانے پڑھانے سے ایسی باتیں سیکھ سمجھ سکتے ہیں تو انسان کے بچے تو ان سے زیادہ عقل اور تمیز رکھتے ہیں، وہ سب کچھ سیکھ سکتے ہیں اور جو کام بھی چاہتے کر سکتے ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ جب کبھی کسی جانور کو پالیں، تو اُسے نرمی اور پیار سے رکھیں اور اسے جان دار سمجھ کر اس کے ساتھ رحم اور نیکی کا سلوک کریں۔

★ ★ ★



# کچھ کہو کچھ سنو

**خورشید احمد وارثی۔ سکھر**

س: تعلیم یافتہ انسان کی پہچان؟

ج: تعلیم یافتہ انسان وہ ہے، جس کو اپنے کم علم ہونے کا احساس ہو۔

**امیر الدین آرائیں۔ حیدرآباد**

س: پاکستان کے مشہور سائنس داں کا نام تو بتایئے؟

ج: پاکستان کے مشہور سائنس والوں میں ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی، پروفیسر عبدالسلام، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر آئی۔ ایچ۔ عثمانی کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

**محمد رمضان الوری۔ کراچی**

س: پاکستان کا سب سے بڑا شہر کونسا ہے؟

ج: جس شہر میں تم رہتے ہو۔

**سلیم احمد صدیقی۔ کراچی**

س: علم بڑی چیز ہے یا ہنر؟

ج: علم بہت بڑی چیز ہے۔

**محمد حنیف بیگ تبسم۔ کراچی**

س: بھائی دنیا کی مشہور عمارت کون سی ہے؟

ج: دنیا کی مشہور عمارتیں بہت سی ہیں۔

**صدیق یونس صابر۔ گوادر**

س: ہیلی کوپٹر کب اور کس نے ایجاد کیا؟

ج: ہیلی کوپٹر سکورسکی نے ۱۹۳۹ء میں ایجاد کیا۔

**عبدالحمید۔ بورے والا**

س: ہمدرد نونہال کا سال نامہ کب نکلتا ہے؟

ج: ہمدرد نونہال کا ہر شمارہ سال نامہ کے برابر ہوتا ہے۔

**سیفی غازی۔ بمبئی**

س: اسٹیم انجن کس نے ایجا کیا، ذرا جلدی سے بتایئے؟

ج: اسٹیم انجن "ساورے" نے ایجاد کیا۔

**اعجاز حسین شہباز۔ مظفر گڑھ**

س: زندگی بے بندگی شرمندگی۔

ج: تمھارا خیال صحیح ہے۔

**سید بابر علی واحدی۔ کراچی**

س: دنیا کا سب سے بڑا ملک؟

ج: ہمارا پڑوسی اور دوست چین دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔

**غلام حسین ہاشمی۔ پنڈی گھیب**

س: مرزا غالب آپ کی نظر میں؟

ج: ایک عظیم شاعر۔

**محمد سلیمان۔ کراچی**

س: پاکستان کے تاریخی شہر کون کون سے ہیں؟

ج: لاہور، ملتان، ٹھٹہ، ڈھاکہ

**شہزادہ خلیل احمد۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان**

س: قلمی دوستی کا مقصد؟

ج: اچھے دوستوں کا حلقہ بڑھانا

**سید راغب حسن۔ کراچی**

س: بھیا سب سے لمبی گردن کس جانور کی ہوتی ہے؟

ج: زرافہ کی۔ کیوں تمھاری گردن تو لمبی نہیں ہے؟

**خالد جاوید صیاد۔ کوئٹہ**

س: بھائی جان کیڈٹ کسے کہتے ہیں؟

ج: وہ طالب علم جو فوج میں کمیشن عہدہ کے لیے تربیت لے رہا ہو۔

**شاہد خلیل نعمانی۔ کراچی**

س: سب سے بلند پہاڑ؟

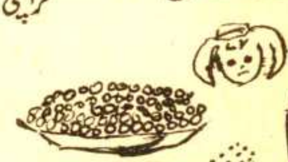
ج: کوہ ہمالیہ، جو کہ ۲۹۱۴۱ فیٹ بلند ہے۔



# نونہال ادیب

## رس گُلّے کے بیج

شیخ محمد شمیم
کراچی



ایک لڑکا تھا۔ اس کا نام شاہد تھا۔ وہ ایک نیک اور سیدھا سادہ لڑکا تھا۔ ایک دفعہ اسے سخت بخار چڑھا۔ اس کے ماں، باپ، بہن، بھائی، غرض سب لوگ پریشان تھے۔ وہ شاہد کو اسپتال لے گئے۔ ڈاکٹر نے شاہد کا معائنہ کیا اور اس کے والد کو گولیاں دیں اور کہا، یہ گولیاں کھلائیے، انشاءاللہ جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ گھر آکر شاہد کے ابّا نے اُسے ایک گولی دی۔ شاہد نے جب گولی کھائی تو اُس کو وہ بہت کڑوی لگی اور شاہد نے گولی تھوک دی۔ اُس کے ابّا کو بہت غصّہ آیا کہنے لگے، تم نے گولی کیوں تھوک دی شاہد کہنے لگا، ابّا جان گولی بہت کڑوی تھی۔ انھوں نے کئی دفعہ اس کو گولی کھلانے کی کوشش کی، مگر وہ ہر دفعہ یہ کہہ کر تھوک دیتا کہ گولیاں بہت کڑوی ہیں۔ سب نے بہت سوچا مگر

کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کس طرح گولیاں کھلائیں۔ ایک دم بھائی جان نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگے، بہت اچھی ترکیب ہے اور انھوں نے اپنی ترکیب سب کو بتائی اور امّی سے پیسے لے کر بازار گئے، وہاں سے کچھ رس گلّے لے کر آئے اور ڈاکٹر کی دی ہوئی گولیاں رس گلّے میں رکھ دیں اور شاہد کو بلا کر کہا ہم تمھارے لیے رس گلّے لائے ہیں۔ شاہد کو رس گلّے بہت پسند تھے۔ وہ جھپٹ کر رس گلّے کا ڈبّہ اپنے کمرے میں لے کر چلا گیا اور جب ابّا جان نے پوچھا کہ شاہد، تم نے رس گلّے کھا لیے، تو شاہد نے کہا کہ ابّا جان، میں نے رس گلّے تو کھا لیے، مگر ان کے بیج پھینک دیے۔

## گیند کی نصیحت

نصیر الدین سلیمانی
ڈیرہ اسماعیل خاں



بھائی جان، چولھے کے ارد گرد بچّوں کو سمیٹے ایک پرانی کہانی سنا رہے تھے۔ شاید انھوں نے یہ کہانی "ہمدرد نونہال" ہی میں پڑھی تھی۔ بھیّا نے پال کے تمام حالات بڑھ چڑھ کر بیان کیے اور تمام چیختے بھاگتے جنگل کی کہانی کہہ سنائی، کہ درخت کیسے بھاگے، پال کے مزدوروں نے کیسے پکڑا اور پھر چیر کر کیسے اپنے ملک لکڑی لائے۔ سراج دونوں ہاتھوں میں لکڑی کی رنگین گیند لیے سہما ہوا خاموشی سے سُن رہا تھا۔ کہانی سننے کے بعد سب اپنی اپنی جگہ جا لیٹے۔ امّی جان نے چپکے سے سراج کو دودھ کا بھرا گلاس دیا۔

سراج نے سہمے ہوئے امّی سے پوچھا، "میری گیند بھاگ تو نہ جائے گی؟"

امی جان نے اسے پیار سے سمجھایا "نہیں بیٹا، وہ تو فرضی کہانی تھی۔" اور سراج پھر رضائی اوڑھ کر سو گیا۔

دروازہ ہولے سے کھُلا اور آہستہ آہستہ کہنے لگا، میری لکڑی کی پیاری چیزوں بھاگ جاؤ۔ کمرے میں سے لکڑی کی چیزیں آہستہ آہستہ باہر نکلتی گئیں۔

وہ بڑی خاموشی سے نکل رہی تھیں، ایسے خاموش، جیسے کوئی چور چوری کرنے نکلے۔ میز باہر نکل رہی تھی، مگر دروازے میں پھنس گئی۔ وہ دو تین بار دروازے سے ٹکرائی اور چور چور ہو گئی۔ اس کے ننھے ننھے ٹکڑے چیختے چلّاتے بھاگے۔ سراج کی رنگین گیند پھرتی سے نکلی اور دروازے کی چوکھٹ سے جا لگی اور پھر پھدکتی ہوئی باہر نکل گئی۔ سراج روتا ہوا اُس کے پیچھے بھاگا۔ تم مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ، میری پیاری گیند۔ گیند نے مسکرا کر پیچھے دیکھا۔ اس کی دو سُرخ سُرخ گول گول آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ سراج سے بہت دُور کھڑی تھی، وہ چیختی ہوئی بولی، آج میں آزاد ہوں۔ تم مجھے کتنی تکلیفیں دیتے تھے۔ مجھے گندی نالی میں پھینکتے اور کسی کے صاف کپڑوں پر چھڑک دیتے۔

مجھے وہ دن یاد ہے جب کہ تونے مجھے ایک بڈھے کے سر پر زور سے مارا اور بجائے میرے وہ خود چیخنے لگا۔ تونے مجھ پر بہت ظلم کیے۔ میں نے ہمیشہ صبر سے کام لیا۔ اب میں کسی شریف لڑکے کے پاس جاؤں گی یا اپنے وطن ——— سراج کا دل جل اُٹھا، اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ وہ چلّایا، میں ابھی تیری خبر لیتا ہوں۔ میں تیرا مالک ہوں۔ تو میری نافرمانی کرتی ہے۔ گیند دو قدم پیچھے کو ہٹی اور بولی، "تو میرا مالک ضرور ہے، لیکن تونے تو کبھی اپنے مالک کی فرمانروائی نہیں کی۔ تم نے کبھی اس کی بارگاہ میں سر نہیں جھکایا۔ ابھی وہ کچھ کہہ رہی تھی کہ سراج طیش میں کلہاڑے کی طرف بڑھا، مگر لوہے کا پھل پڑا رو رہا تھا۔ اس کا دستہ تو پہلے ہی سے بھاگ گیا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا تمام گھر کھنڈر بنا ہوا تھا۔ آج وہ لکڑی کے بغیر کتنا عجیب نظر آ رہا تھا۔ وہ پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگا۔ اس نے بھائی جان کو دیکھا وہ ہاتھ میں لوہے کی ایک نلی پکڑے کھڑے تھے، جو پہلے ایک خوب صورت بندوق تھی۔ بھائی جان نے سراج کو پکڑ کر خوب جھنجوڑا اور اسکی آنکھ کھُل گئی۔ اس نے تکیے کے نیچے دیکھا تو گیند رکھی ہوئی تھی، پھر

اس نے یہ خواب سب کو سُنایا اور خود معافی مانگی کہ آئندہ میں نماز پڑھوں گا، بڑوں کا ادب کروں گا اور ہر اچھا کام کروں گا۔

## کوّا اور مینا

حسن۔ آر جعفری
کراچی



کسی درخت پر ایک کوّے نے نمک کا گھونسلہ بنایا۔ اس سے تھوڑی دُور دوسرے درخت پر ایک مینا نے موم سے اپنا گھونسلہ بنایا۔ ان دونوں میں بہت دوستی تھی، لیکن کوّا بہت کنجوس تھا۔ اس وجہ سے دونوں میں اکثر جھڑپ ہوتی رہتی تھی۔ ایک دن مینا نے کھچڑی پکائی۔ کھانے بیٹھی تو دیکھا کہ نمک کم ہے۔ اس نے سوچا کہ کوے کے پاس جاؤں اور تھوڑا سا نمک مانگوں۔ یہ سوچ کر وہ کوّے کے پاس پہنچی اور کہا، "بھائی کوّے، آج میری کھچڑی میں نمک کم ہو گیا ہے۔ تھوڑا سا نمک دے دو۔" کوّا بولا، "میں تجھے نمک کہاں سے دوں۔"

مینا بولی، "تمھارا تو گھونسلہ نمک کا ہے۔ اگر تھوڑا سا دے دو گے تو کون سی مصیبت آ جائے گی۔"

کوّے نے کہا، "اچھا تو تیرا مطلب ہے کہ میں اپنا گھونسلہ توڑ کر تجھے نمک دوں۔" مینا نے کہا، "تم اپنے نمک کے گھونسلے پر اتنے مغرور ہو۔ خدا نے چاہا تو آج رات ایسی بارش ہوگی کہ تمھارا سارا گھونسلا بہہ جائے گا۔" کوّے نے یہ سُن کر زور کا قہقہہ لگایا اور بولا، "جا جا، اپنا راستہ لے۔"

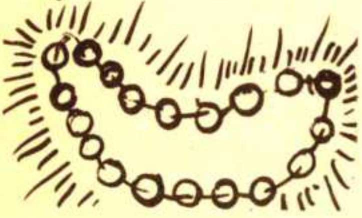
خدا کا کرنا، اسی رات اتنی بارش ہوئی کہ کوّے میاں کا سارا گھونسلا بہہ گیا، لیکن مینا کے گھونسلے پر کچھ اثر نہ ہوا کوّے میاں ایک طرف درخت پر بیٹھے بھیگتے رہے۔ پھر خیال آیا کہ مینا کے گھر چلوں، شاید وہ مجھے اپنے ہاں رہنے دے۔ یہ سوچ کر وہ مینا کے گھر چل دیا۔ مینا کے گھر پہنچ کر اُس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب مینا نے دروازہ

کھولا تو وہ اس کے آگے گڑگڑانے لگا، کہ "اچھی بہن بارش سے میرا گھونسلہ بہہ گیا ہے، آج رات مجھے اپنے ہاں رہنے دو۔" مینا، دل کی بُری نہ تھی، اس نے فوراً کوّے کو اندر بُلایا۔ کوّا سردی سے کانپتا ہوا اندر آگیا، مینا نے اُسے خوب گرم گرم چائے پلائی۔ جب ذرا سردی کم ہوئی تو مینا اُسے ایک کمرے میں لے گئی اور بولی، "بھائی کوّے اس پلنگ پر سو جاؤ، یہاں چنے کی بوری رکھی ہے، جو میں نے اپنے بیٹے کی دعوتِ ولیمہ کے لیے منگوائی ہے۔"

کوّے نے کہا، "بہن بے فکر رہو۔ میں بوری کو ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا۔" مینا اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد اس نے کٹر کٹر کی آواز سُنی تو بولی، "بھائی کوّے کیا کھا رہے ہو؟" کوّا بولا، "کچھ نہیں بہن، سسرال سے بادام پستے آئے تھے وہ کھا رہا ہوں۔" مینا مطمئن ہو کر سو گئی۔ صبح اُٹھ کر جو کوّے کو جگانے آئی تو دیکھا کہ کوّا مرا پڑا تھا۔ اس کا پیٹ بہت پھول رہا تھا اور چنے کی بوری خالی پڑی تھی۔ مینا یہ دیکھ کر خوب روئی۔ پتہ نہیں اسے کوّے کے مرنے کا غم تھا یا اپنے چنے ختم ہونے کا۔

## ایمان داری

محمد اقبال بھابھا
کراچی



ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی گاؤں میں سلیم نام کا ایک ایمان دار شخص رہتا تھا۔ وہ اتنا غریب تھا کہ اس کے پاس نہ کھانے کے لیے روٹی تھی اور نہ ہی پہننے کے لیے کپڑے تھے۔ ایک دن وہ نوکری کرنے کے لیے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ شہر میں پہنچ کر جب وہ ایک بازار سے گزر رہا تھا اسی وقت اس ملک کا بادشاہ بھی فقیر کا بھیس بدل کر ادھر سے جا رہا تھا، جب بادشاہ کی نظر سلیم پر پڑی تو اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ شخص اجنبی معلوم ہوتا ہے، چناں چہ اس کی ایمان داری کا امتحان

لینا چاہیے۔ یہ سوچ کر بادشاہ نے اپنی جیب سے سونے کا ایک قیمتی ہار نکالا اور جدھر سے سلیم گزرنے والا تھا وہاں اس قیمتی ہار کو رکھ کر اور خود ایک آڑ میں چھپ گیا۔ جب سلیم ادھر سے گزرا تو اس کا پاؤں اس ہار پر پڑا۔ جوں ہی سلیم نے نظریں جھکا کر دیکھا تو اُسے سونے کا ایک قیمتی ہار نظر آیا۔ اُس نے جلدی سے جُھک کر ہار اُٹھا لیا، لیکن فوراً ہی اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ سونے کا قیمتی ہار میرا نہیں کسی اور کا ہے ۔۔ کسی اور کی چیز ملے تو اُسے اُٹھا کر لے لینا اسلام نے منع کیا ہے۔ چناں چہ مجھے بھی یہ قیمتی ہار نہیں لینا چاہیے، بلکہ واپس رکھ دینا چاہیے، یہ خیال آتے ہی اس نے ہار واپس رکھ دیا اور آگے چلنا شروع کر دیا۔ بادشاہ نے جب یہ منظر دیکھا تو نہایت ہی حیران ہو گیا اور فوراً آڑ سے نکلا اور ہار اٹھا کر سلیم کے پیچھے چلا۔ سلیم کے پاس پہنچ کر کہا کہ "یہ ہار آپ کا ہو تو لے لیجیے۔" سلیم نے کہا، "یہ ہار میرا نہیں ہے۔" بادشاہ جو فقیر کے بھیس میں تھا، سلیم کی ایمان داری سے بہت خوش ہوا اور بولا، "اے اجنبی میں تیری ایمان داری سے بہت ہی خوش ہوا ہوں۔ میں اس ملک کا بادشاہ ہوں اور تجھے میں اپنی سلطنت کا وزیر مقرر کرتا ہوں۔" سلیم حیران ہو کر بادشاہ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ یہ تھوڑی دیر میں کیا ماجرا ہوا۔ جب وہ وزیر بن گیا تب اس کی سمجھ میں آیا کہ بادشاہ نے اس کی ایمان داری کا امتحان لیا تھا، جس میں وہ کامیاب ہوا۔ دیکھا بھائیو! یہ تھا ایمان داری کا بدلہ۔

## ہرن مینار

محمد یونس
کھلنا



تاریخی مقامات کی سیر کے سلسلے میں اس روز ہمیں لاہور سے تقریباً اٹھائیس میل دُور "ہرن مینار" دیکھنے

جاتا تھا، جو شیخو پورہ کے قریب واقع ہے ۔ خوش قسمتی سے اس روز موسم خوش گوار تھا ۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سے فرحت محسوس ہو رہی تھی ۔ پروگرام کے مطابق صبح چھ بجے ہماری جماعت کے طلبا اسکول کے احاطے میں جمع ہو گئے سوا چھ بجے کے قریب اومنی بس کی دو گاڑیاں آگئیں اور ہم تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے سفر کے بعد "ہرن مینار" پہنچ گئے ۔

تاریخ کا مضمون پڑھانے والے ماسٹر صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے اور اس تاریخی تفریح گاہ کے بارے میں ہمیں بڑی قیمتی باتیں بتا رہے تھے ۔ انھوں نے بتایا،

یہ عمارت جو سرسبز و شاداب جنگل میں واقع ہے اور چاروں طرف سے ایک تالاب سے گھری ہوئی ہے ۔ در اصل مغل شہنشاہ جہانگیر نے شکار کھیلنے کے لیے بنائی تھی ۔ یہ شکار گاہ ۱۶۰۶ء میں بنی تھی ۔ یہ تین منزلہ عمارت جو درمیان میں ہے اور جس تک پہنچنے کے لیے ایک راستہ بنایا گیا ہے، شاہی آرام گاہ ہے، جس میں شہنشاہ جہانگیر اور ملکہ نور جہاں آرام کیا کرتے تھے ۔ خاص طور پر چاندنی راتوں میں یہاں کا نظارہ بڑا دلکش ہوتا تھا ۔ اس آرام گاہ کی بلندی نوّے فیٹ ہے ۔ اوپر تک پہنچنے کے لیے تقریباً سو سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہیں ۔ یہاں ایک تالاب بھی ہے، جس کی لمبائی ۸۹۲ فیٹ اور چوڑائی ۷۵۰ فیٹ کے لگ بھگ ہے ۔

کہتے ہیں کہ جہانگیر جب شہزادہ تھا تو ایک مرتبہ یہاں شکار کھیلنے کے لیے آیا اور اسے یہ جگہ بہت پسند آئی، کیوں کہ یہاں ہرن، نیل گائیں اور دوسرے جانور کثرت سے ملتے تھے ۔ اسی لیے اس نے یہاں بہت عمدہ شکار گاہ بنوائی اور جب وہ یہاں شکار کھیلنے آتا تھا تو اسی شکار گاہ میں ٹھہرتا تھا ۔ ایک دفعہ جہانگیر نے ایک ہرن پکڑا، یہ ہرن اتنا خوب صورت تھا کہ جہانگیر نے اسے پال لیا اور اس کا نام "ہنس راج" رکھا ۔ جب یہ ہرن مر گیا تو اسی شکار گاہ

میں اسے دفن کیا گیا اور اس وقت سے یہ جگہ "ہرن مینار" کے نام سے مشہور ہو گئی۔ جہانگیر نے "ہرن مینار" کے قریب ایک چھوٹی سی بستی بسائی تھی، جس کا نام جہانگیر آباد رکھا تھا، لیکن لوگ اسے شیخو پورہ کہنے لگے، کیوں کہ اکبر جہانگیر کو پیار سے شیخو بابا کہتا تھا۔

جہانگیر کی وفات کے بعد اُس کے لڑکے شاہجہاں نے "ہرن مینار" کی خوب صورتی میں چار چاند لگا دیے اور شیخو پورہ میں ایک قلعہ بھی بنوایا۔ لوگ کہتے ہیں کہ قلعے اور ہرن مینار کے درمیان ایک سُرنگ بھی کھودی گئی تھی، جس کے نشانات ابھی تک موجود ہیں۔

## اندھیرے، اُجالے

مسرت ناز
راولپنڈی



راشد ایک امیر خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ پانچ سال کی عمر میں اسے شہر کے ایک بڑے اسکول میں داخل کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ماں باپ کے بے پناہ لاڈ پیار میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ غرور اور امارت میں تو چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے، چناں چہ راشد بھی اپنی امارت کی وجہ سے اپنے کو دوسروں سے برتر سمجھتا تھا۔ عمر کے ساتھ ساتھ یہ احساس بھی بڑھتا گیا۔ اب راشد ساتویں جماعت کا طالب علم تھا۔ وہ اگرچہ بے حد لائق تو نہ تھا، لیکن بالکل پھسڈی بھی نہ تھا۔ اچھے نمبروں سے پاس ہو جاتا تھا، لیکن امارت کے لحاظ سے وہ یقیناً اوّل نمبر پر تھا۔ شان دار چمکتی ہوئی سیاہ بیوک جب اسکول کے کمپاؤنڈ میں آکر رُکتی تو راشد شانِ بے نیازی سے دروازہ کھول کر نپے تُلے قدم اُٹھاتا ہوا کلاس کی طرف چل دیتا۔ اُس کے لباس، بول چال کے طریقے اور لب و لہجے سے اس کی امارت ہویدا تھی۔ شاید اسی لیے اُس سے سب مرعوب ہو جاتے تھے۔ گھر پر اُسے ایک ماسٹر صاحب پڑھاتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک آیا بھی تھی، جس نے اُسے

بچپن سے پالا تھا۔
راشد اکثر غریب لڑکوں کی رُپے اور کپڑے سے مدد کیا کرتا تھا، اس لیے نہیں کہ وہ بے حد رحم دل تھا، بلکہ اس لیے کہ اس طرح وہ اپنی امیری کا اظہار بڑی اچھی طرح کر سکتا تھا۔ کئی لڑکوں کی تو وہ فیس بھی ادا کر دیتا۔ انھی میں سے ایک طارق بھی تھا، وہ راشد کا بے حد احسان مند تھا، لیکن اس کو چکنی چپڑی باتیں بنانا نہیں آتی تھیں، البتہ وہ راشد کا تہِ دل سے شکریہ ادا کر دیتا تھا۔ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی موقع پر اس کے کام آکر اس کے احسانوں کا بدلہ اُتارے۔ طارق کی سنجیدگی اور اعلا اخلاق کی بدولت راشد بھی اُس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اس کا دوست بن گیا۔ یہ بات راشد کے خوشامدی دوستوں کو بڑی ناگوار گزری۔ انھوں نے راشد کو طارق سے بدگمان کرنے کی ناپاک سازش بنائی۔ اُنھوں نے راشد کے دماغ میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی، اس کی مدد کے باوجود طارق اس کا احسان نہیں مانتا اور یہ کہ وہ بے حد مغرور ہے۔
حساب کے ماسٹر صاحب انھیں روزانہ ڈھیروں کام کرنے کو دیا کرتے تھے اور راشد کو تو گھر پر بھی ماسٹر صاحب پڑھاتے تھے۔ ایک سوال بھی کم کر کے لاتے تو سزا یقینی تھی۔ ایک دن راشد کے خوشامدی دوست سلیم نے اسے کہا کہ وہ اپنا حساب کا کام کیوں نہ طارق سے کروا لیا کرے۔ جب راشد اس کی فیس تک ادا کر دیتا ہے تو طارق کو اُس کے کام آنا چاہیے۔ یہ بات راشد کو پسند آئی، کیوں کہ حساب کے بے پناہ کام سے وہ بھی گھبراتا تھا۔ دوسرے حساب میں وہ کچھ کمزور بھی تھا، چناں چہ اس نے طارق سے یہ بات کہی تو طارق نے جواب دیا،
"راشد دوست، میں تمھارے حق میں نادان دوست بننا نہیں چاہتا، اگر میں تمھارا کام کر دیا کروں تو سالانہ امتحان میں تم خود کیا کر سکو گے۔ میں تمھیں ناکامی کا راستہ نہیں دکھانا چاہتا۔"
راشد نے سمجھا کہ طارق اس بہانے انکار کر رہا ہے، چناں چہ اس نے طارق

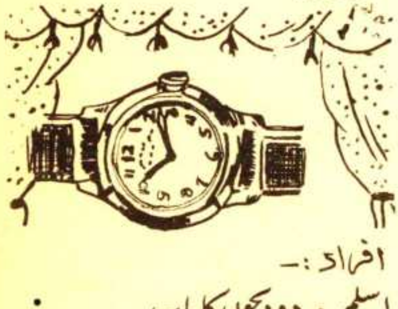
سے کہا، "مجھے تم سے یہ امید نہ تھی میں نے بے دریغ رُپیہ تم پر خرچ کیا اور تم اتنا بھی نہیں کر سکتے۔ اگر میں تمھاری فیس نہ دیتا تو آج تم اسکول میں پڑھنے کے بجائے کہیں مزدوری کر رہے ہوتے۔
طارق غریب ہونے کے ساتھ غیرت مند بھی تھا۔ اس وقت تو خاموش ہو رہا، لیکن اس کے بعد ایسا ہوتا کہ اکثر وہ دیر سے سکول پہنچتا، کیوں کہ صبح کے وقت وہ لوگوں کے ہاں اخبار پہنچا کر آتا تھا اور شام کو بھی تھوڑی بہت محنت مزدوری کرتا، لفافے بنا کر دُکان داروں کو فروخت کرتا تھا۔ تقریباً سات ماہ بعد وہ اس قابل ہو گیا کہ راشد کو اس کے رُپے لوٹا سکے۔ اگرچہ وہ اپنی پڑھائی کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ دے سکا۔ ایک دن تفریح کے وقت وہ راشد کے پاس پہنچا اور رُپے اُس کے ہاتھ میں تھما کر کہا، "راشد تم نے رُپوں سے میرا ضمیر خریدنا چاہا تاکہ میں تمھاری غلط اور ناجائز مدد کروں۔ لو یہ رُپے اور ہاں میری اتنی التجا ہے کہ کبھی کسی غریب کی مدد کرنے کے بعد اُس پر احسان نہ جتانا اس سے تو بہتر ہے کہ تم اُس کی مدد ہی نہ کرو۔ خدا کے لیے کبھی کسی کی غربت کا مذاق نہ اُڑانا۔ بے کسی کا احساس تو انسان کو مرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔" اسی لمحے راشد اور اس کے دوستوں کے قہقہے گونجے۔ پہلے تو اُس نے رُپے لینے سے انکار کیا، لیکن دوستوں کے اصرار پر رُپے لے لیے۔
سالانہ امتحان کا نتیجہ نکلا تو راشد حساب میں اوّل آیا اور طارق پڑھائی پر زیادہ توجہ نہ دینے کے باوجود بھی مجموعی حیثیت سے اوّل آیا۔ راشد حساب میں اس لیے اوّل آیا کہ سارا سال حساب کا کام خود اپنی محنت سے کیا تھا، اگر یہی کام طارق کر دیتا تو امتحان میں کچھ بھی نہ کر پاتا۔
اچانک اسے طارق کے الفاظ یاد آئے، "میں تمھارے حق میں نادان دوست بننا نہیں چاہتا۔" اُس نے سوچا کہ اگر میں خود اتنی محنت نہ کرتا تو یقیناً فیل ہو جاتا۔
راشد کے ابّا جان کو نتیجے کی اطلاع ملی تو بے حد خوش ہوئے اور راشد کو "ہمارے اسلاف" نامی کتاب تحفے کے طور پر دی۔ راشد نے اپنے کمرے میں جا کر کتاب پڑھنا شروع کی، ایک جگہ

اُس نے پڑھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ اس طرح لوگوں کی مدد کرتے تھے کہ اُنھیں پتہ بھی نہ چلتا کہ اُن کا محسن کون ہے، اُسے احساس ہوا کہ طارق کو اُس نے کتنی بُری طرح شرمندہ کیا تھا، اب وہ کل کا انتظار نہ کرسکتا تھا، فوراً ہی گاڑی میں طارق کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد سیاہ رنگ کی بیوک نے طارق کے گھر کے سامنے ہارن دیا، طارق باہر آیا، اُسے حیرت تو بہت ہوئی، لیکن وہ راشد کو احترام سے گھر میں لے گیا۔ راشد نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا، "دوست مجھے معاف کردو۔ میں تمھاری وجہ سے حساب میں اوّل آیا ہوں۔ تم میرے دانا دوست ہو۔ میں کتنا بُرا ہوں کہ تمھیں پہلے تو رُپے پیسے سے مدد دی اور پھر تمھارا مذاق اُڑایا۔" طارق نے کہا کہ جو کچھ ہوچکا اُسے بھول جائے اور آئندہ بھی اپنا کام خود کرے تا کہ ہر سال اوّل آئے، پھر دونوں دوست گلے ملے۔ راشد کو یوں محسوس ہوا جیسے اندھیرے چھٹ رہے ہوں روشنی پھیل رہی ہو اور اس کا دل و دماغ اس روشنی سے منور ہو رہے ہوں۔ دونوں دوست مُسکرا اُٹھے، دونوں کے چہروں پر سچی دوستی اور پیار کے جذبات نمایاں تھے۔

## گمشدہ گھڑی

ڈراما

سیّد افتخار احمد
ڈھاکہ



افراد :۔

اسلم : دو بچوں کا باپ
نسیمہ : اسلم کی بیوی
ہاشم : اسلم کا بڑا بیٹا
مظفر : ہاشم کا چھوٹا بھائی

نسیمہ اور اسلم اپنے مکان کی بیٹھک میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اسلم خط لکھ رہے ہیں اور نسیمہ ایک کتاب پڑھ رہی ہے کہ اتنے میں ہاشم ہانپتا کانپتا آتا ہے۔

ہاشم : امی جان! کیا آپ نے میری گھڑی دیکھی ہے؟

نسیمہ : نہیں تو۔ تم نے کہاں رکھی تھی؟

ہاشم : رات کو مَیں نے اس کو اپنی میز پر

رکھی تھی۔
نسیمہ : اور صبح کو غائب ؟
ہاشم : جی نہیں، میں آج اسے پہن کر اسکول نہیں گیا، وہیں تھی مگر اب نہیں ہے۔
نسیمہ : کیا تمھیں قطعی یقین ہے کہ صبح تم نے گھڑی نہیں پہنی۔
ہاشم : جی ہاں ! مجھے پورا یقین ہے۔
نسیمہ : جاؤ دیکھو۔ شاید مظفر نے لی ہو۔
ہاشم : بہت بہتر امّی جان !
(باہر جاتا ہے)
نسیمہ : آپ کیا لکھ رہے ہیں ؟
اسلم : میں خط لکھ رہا ہوں۔
(اتنے میں مظفر آتا ہے)
نسیمہ : ارے مظفر ! کیا تم نے ہاشم کی گھڑی دیکھی ہے ؟
مظفر : جی نہیں۔ کیا وہ اسے اسکول نہیں لے گئے ہیں ؟
نسیمہ : نہیں۔ وہ آج اسکول ہی نہیں گیا۔
(ہاشم آتا ہے)
ہاشم : مظفر، میری گھڑی مجھے واپس کر دو۔
مظفر : کیسی گھڑی۔ وہ میرے پاس نہیں ہے۔
ہاشم : ارے واہ، وہ تمھارے ہی پاس ہے۔ میں نے اسے اپنے سونے کے کمرے میں چھوڑا تھا اور تم نے لے لیا۔ اب میری چیز مجھے واپس کر دو۔
مظفر : امّی جان ! بھائی جان کہتے ہیں کہ اُن کی گھڑی میں نے اُٹھائی ہے۔
ہاشم : ہاں ہاں ! تم نے اُٹھائی ہے۔
اسلم : کیا معاملہ ہے ؟
نسیمہ : ہاشم کی گھڑی گُم ہوگئی ہے اور اس کا خیال ہے مظفر نے لی ہے۔
اسلم : تمھارا خیال غلط ہے ہاشم بیٹے۔
ہاشم : ابّا جان ! تو پھر آپ ہی بتائیے کہ میری گھڑی کس نے لی۔
اسلم : (ہنستے ہوئے) وہ میری جیب میں ہے میں نے آج ہی لی تھی، یہ لو اپنی چیز۔
ہاشم : بہت بہت شکریہ، پیارے ابّا جان۔
اسلم : اچھا ہاشم، اب تم مظفر سے کہو کہ مجھے بہت افسوس ہے۔
ہاشم : مجھے بہت افسوس ہے میرے ننھے بھائی جان !
(سب ہنستے ہیں پردہ گرتا ہے)



# تمہارا خیال ہے

## دل باغ باغ ہو گیا

جون کا شمارہ ملا، سرورق دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا، میں ہمدرد نونہال کا دو سال سے مسلسل مطالعہ کر رہا ہوں۔ ہمارا پیارا ہمدرد نونہال اب بہت ترقی کر رہا ہے اگر آپ سال نامہ بھی شائع کریں تو بہت اچھا ہو گا۔ نظم گھر کا گھر خفا بہت پسند آئی اور مضامین میں سے اور وہ گھوڑا ابھی لے گیا، وائلن والا مداری، خطرناک سفر، خرگوش اور بلی، خرفا مولا، چن پاما چن، بہت پسند آئے۔ میری طرف سے تمام لکھنے والوں کو مبارک باد دے دیجیے اور حکیم محمد سعید صاحب کو بھی میری دعا ہے کہ ہمدرد نونہال دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے۔

محبوب۔ کراچی

## پہلی بار

پہلی دفعہ ہمدرد نونہال نظر سے گزرا سچ کہتا ہوں ایسا بہترین بچوں کا رسالہ میں نے آج تک نہیں پڑھا۔ خاص کر ٹائٹل تو بہت ہی پسند آیا۔ میری طرف سے سب کو

مبارک باد۔

محمد قیصر جاوید۔ کالاباغ

## دس سال سے

میں آپ کے رسالہ ہمدرد نونہال کو تقریباً دس سال سے پڑھ رہا ہوں۔ اور اس کے مضامین۔ معلومات، پیاری پیاری نظمیں پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ واقعی یہ رسالہ تعریف کے قابل ہے۔ اگر آپ اس رسالے کا سال نامہ بھی نکالا کریں تو اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رسالے کو خوب ترقی دے۔ آمین

ایم سمیع افسوس۔ کراچی

## مبارک باد

جون ۱۹۶۵ء کے رسالے میں گھر کا گھر خفا بہت پسند آیا۔ ٹائیٹل بڑا بہترین تھا۔ آرٹسٹ صاحب کو میری طرف سے مبارک باد دینا۔ ویسے اب رسالہ بہت ترقی کر رہا ہے۔ میری طرف سے یہ دعا ہے کہ اس رسالے کو خدا تعالیٰ دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

محمد صفدر۔ ماموں کانجن

## دوہری خوشی

پرسوں ہمارے سالانہ امتحان کا نتیجہ نکلا، ہم اپنی جماعت میں اوّل آئے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ہمارے دل کو کتنی خوشی ہوئی ہوگی۔ نتیجہ سن کر باہر آئے تو قریبی بک اسٹال پر ہمدرد نونہال کے جون کا شمارہ ہمارا منتظر تھا۔ جیب کے ۷۵ پیسے اچھلنے لگے۔ ہم نے رسالہ خریدا۔ سرورق اتنا پیارا تھا کہ بس کچھ نہ پوچھیے۔ میری طرف سے اس کے مصور کو مبارک باد دیجیے اور جب رسالے کو اندر سے دیکھا تو عش عش کر اٹھے۔ اس دفعہ کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ امید ہے کہ آئندہ سال سے سال نامہ بھی نکالیں گے۔

شوکت حسین عبداللہ۔ کراچی

## مبارک باد

آپ کے رسالے نے چند ماہ میں جو قابلِ رشک ترقی کی ہے میری طرف سے مبارک باد قبول فرمائیں۔ میں ہمیشہ نونہال پڑھتا ہوں۔ بہت

پسند آتا ہے۔ مجھے "فرض" بہت پسند آیا۔ میری طرف سے حبیب کیفوی کو کو مبارک باد پیش کیجیے گا۔

اپریل ۱۹۶۵ء کے نونہال میں تم سے مل کر بہت خوش ہوا ہوں اور ایک اچی لڑکا یہ مضامین بھی کافی دل چسپ تھے۔ نظموں میں سے ٹیلی فون اور علم کی نظمیں بہت پسند آئیں۔ تمام نونہال ادیبوں کو میری طرف سے مبارک باد دیں۔

عبدالقادر۔ میرپور ڈھاکہ

## لاجواب

جون ۱۹۶۵ء کا رسالہ بہت ہی لاجواب تھا۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ "تعلیمی معما" بھی شروع کر دیا جائے۔ مضامین سب ہی مزے دار اور اچھے تھے۔ "شہری شعور" کا فیچر مضمون بہت ہی اچھا ہے، ہر مہینے ایسا ہی شائع کریں۔ نظم اچھا بچہ بہت ہی اچھی تھی۔ میری طرف سے مصنف کو مبارک باد دیں اور "نونہال ادیب" کے سب مضمون بھی اچھے تھے۔

محمد رمضان الوری۔ کراچی

## دل چسپ

ہمدرد نونہال کا ہر صفحہ دوسرے سے زیادہ دل چسپ تھا۔ آخر ختم کرکے ہی دم لیا۔ سرورق کا بھی کیا کہنا۔ کتاب کو ہاتھ میں لیتے ہی سرورق سے نظر ہٹانے کو دل نہیں چاہتا۔ میری چھوٹی بہن جو کہ ابھی بہت کم سن ہے اور پڑھنا نہیں جانتی، اپریل ۱۹۶۵ء کے نونہال کو اپنے قبضے میں کرلیا اور آخر کار اس نے بہت مشکلوں سے میرے حوالے کیا۔ اس کے تمام مضامین خاصے دل چسپ تھے اور نونہالوں ادیبوں سے ننھی منی امید ہے کہ ہمیشہ اس رسالے کو اچھے اچھے اور اصلاحی مضامین بھیج کر اس رسالے کی ترقی میں دن دوگنی اور رات چوگنی مدد کریں گے۔

شمشیر احمد۔ ڈھاکہ

## فوٹو آفسٹ

ابھی ابھی ہمدرد نونہال ختم کرکے بیٹھا ہوں اور فوراً ہی آپ کو خط

لکھ رہا ہوں، ٹائیٹل پیش کرنے میں واقعی آپ کے آرٹسٹ صاحب کو کمال حاصل ہے اور پھر جب سے آپ نے فوٹو آفسٹ پر چھاپنا شروع کیا ہے اس کی رعنائیوں میں اضافہ ہو گیا ہے اور مزید ہوتا جا رہا ہے۔ مندرجہ ذیل مضمون بہت پسند آئے۔

خطرناک سفر، ہر فن مولا، بدی کا انجام، لالچ کی نادر، شیخ کا انصاف، نظموں میں گھر کا گھر خفا اور تارے غرض ان سب چیزوں کے لکھنے والوں اور آپ کی کوششوں نے نونہال کو اتنا بلند کر دیا ہے کہ کون اس کی تعریف نہ کریگا۔ میری طرف سے حکیم محمد سعید صاحب کو مبارک باد دیں۔

کلیم اشرف فاروقی۔ کراچی

فروری و اپریل کے شمارے نظر سے گزرے۔ سرورق کی تصاویر بڑی دل کش ہیں۔ مبارک باد قبول فرمایئے۔ الطاف فاطمہ، نسرین ہاشمی، مناظر صدیقی، گوہر، نہمیدہ اختر اور پروین نواب کی تخلیقات بہت پسند آئیں، خصوصاً "ادب و اخلاق" اور "صحت کے لیے" بہت ہی کار آمد ہیں۔ میرے ساتھی ایک مرتبہ رسالہ ہاتھ میں لے لیتے ہیں تو بغیر ختم کیے نہیں چھوڑتے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ رسالہ ہندستان میں بھی فراہم کیا جانا چاہیے۔ بہر حال رسالہ بڑی شان کے ساتھ ترقی کی منازل طے کرتا جا رہا ہے۔ سال نامہ پیش کرنے کی تجویز سے میں بھی متفق ہوں۔

سیفی غازی۔ بمبئی

## بچوں کا معیاری پرچہ

مجھے ہمدرد نونہال کا بڑی بے چینی سے انتظار رہتا ہے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ اتنا بہترین رسالہ کبھی نظر سے نہیں گزرا۔ جو ہر قسم کا مواد بچوں کے معیار کے مطابق پیش کرنے کی کوشش کرتا ہو

## معیاری مضامین

میں آپ کا رسالہ "ہمدرد نونہال" کافی عرصے سے پڑھ رہا ہوں۔ ہمدرد نونہال نہ صرف خوب صورتی کی حد میں بڑھا ہوا ہے بلکہ معیاری مضامین کی حد میں اس نے کافی جگہ پیدا کر لی ہے۔

پرویز حمید۔ رحیم یار خاں

# اِن الفاظ کے معنی کیا ہیں؟

پالتو: گھر کا پالا ہوا جانور
پل پڑنا: حملہ کرنا، گھس پڑنا
پیوست: جوڑ، ملاپ
تدبیر: خوب غور کرنا، خیال، منصوبہ کوشش
تقدیر: نصیب
توشک: روئی دار بستر
جائداد: مال، جمع کیا ہوا پیسہ، پیداوار
جتھے: جماعت
خراماں: آہستہ آہستہ
خواہش: آرزو
درگت: بری گت بنانا
دستیاب: حاصِل ہونا، وصول ہونا
دغاباز: مکاری، بے ایمانی کرنے والا
رکھوالی: حفاظت
زائل ہونا: دور ہونا
سگھڑ: ہنرمند
سلیقہ شعار: سلیقہ دار
صحرا: جنگل بیاباں
صلاحیت: قابلیت
طعنہ: بُرا بھلا کہنا
طنبور: ایک قسم کا باجا
طور: ڈھنگ
غازہ: ایک قِسم کا پوڈر جو عورتیں رخساروں پر ملتی ہیں۔
غریب الوطن: جو شخص اپنے وطن سے دور ہو۔
غول: گروہ
فراخ دل: کشادہ دل والا، سخی
کہار: ڈولی اٹھانے والا
کیس: سانچہ، فریم
مستعد: چست چالاک، تیز و ہوشیار
مشاہدات: مشاہدہ کی جمع: معائنہ، دیکھنا
مہمات: مہمہ کی جمع: بڑے بڑے کام لڑائیاں
نادان: ناواقف۔ جو کہ جانتا نہ ہو
نڈھال: سست، تھکا ہوا
نوبت: ایک باجے کا نام
واردات: وارد کی جمع: واقعہ، حادثہ
والہانہ: بہت زیادہ خوشی کا اظہار
ہذیان: بے معنی بات کہنا

ہمدرد نونہال۔ اگست ۱۹۶۵ء

# حلقۂ دوستی

**زین الحسن موسوی ـــــ کراچی**
عمر: ۹ سال تعلیم: سوئم
دلچسپیاں: نونہال پڑھنا۔ قلمی دوستی
پتہ: ڈی - ۱/۱۷ جیکب لائنز۔ کراچی ۳

**شمع انجم ـــــ ملتان**
عمر: ۱۵ سال تعلیم: میٹرک
دل چسپیاں: پڑھنا اور ٹکٹ جمع کرنا
پتہ: ایم۔ این۔ آصف مکان نمبر بی
۸۸ وہاڑی ضلع ملتان۔

**کوثر علی خاں ـــــ لاہور**
عمر: ۱۶ سال تعلیم: فسٹ ایر
دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا۔
پتہ: رو نمبر ۵ کلاس XI سائنس
دیال سنگھ کالج۔ لاہور۔

**محمد ظفیر الدین ـــــ ڈھاکہ**
عمر: ۱۳ سال تعلیم: دہم
دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا۔
پتہ: ۱۵/۲ پلاک بیرک۔ ڈاک خانہ
رمنہ ڈھاکہ (مشرقی پاکستان)

**محمد جمیل ـــــ گوجرانوالہ**
عمر: ۱۶ سال تعلیم میٹرک
دل چسپیاں: بہن بھائیوں سے قلمی دوستی
پتہ: اسماعیل سٹریٹ محلہ بجنتے والا
گوجرانوالہ مغربی پاکستان۔

**محمد عبدالعزیز ـــــ ڈھاکہ**
عمر: ۱۸ سال تعلیم: میٹرک
دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا
پتہ: معرفت محمد عبدالجبار انجینیر۔
ورکشاپ۔ آدم جی جوٹ مِل۔ آدم جی
نگر۔ ڈھاکہ۔ مشرقی پاکستان۔

**افسر کمال صدیقی ـــــ ڈھاکہ**
عمر: ۱۸ سال تعلیم: انٹرمیڈیٹ
دل چسپیاں: معلومات حاصل کرنا۔
پتہ: ۱۷۔ براڈوے بلڈنگ۔ ڈھاکہ کینٹ

**محمد فہیم کریمی ـــــ کراچی**
عمر: ۱۶ سال تعلیم: میٹرک
دل چسپیاں: قلمی دوستی، مضمون نویسی
پتہ: معرفت محمد نعیم کریمی ۱، ۵/۱ اے ملیر کالونی
کراچی ۲۷ پاکستان

محمد شفیع بھٹہ ـــــ ملتان
عمر: ۱۷ ½ سال تعلیم: میٹرک
دل چسپیاں: (قلمی دوستی)
پتہ: چاہ طاہر والا۔ ڈاک خانہ کبیر والا ضلع ملتان۔

عبدالرحمان صدیقی ـــــ لاہور
عمر: ۱۲ سال تعلیم: ہشتم
دل چسپیاں: ہمدرد نونہال کو شوق سے پڑھنا
پتہ: عبدالمجید صدیقی ۸ اے ام این دھارا ایڈووکیٹ۔ ریلوے روڈ۔ لاہور

مس بے۔ بی بلقیس بیگم ـــــ ڈھاکہ
عمر: ۱۲ سال تعلیم: نہم
دل چسپیاں: صرف بہنوں سے قلمی دوستی کرنا
پتہ: معرفت عبدالجبار انجینئر۔ ایس پی کوارٹر نمبر ۱۱/۱۰۔ آدم جی جوٹ مِل۔ آدم جی نگر ڈھاکہ

محمود اکرم نازؔ ـــــ راولپنڈی
عمر: ۱۸ سال تعلیم: بی ایس سی
دل چسپیاں: مطالعہ نونہال۔ قلمی دوستی
پتہ: رول نمبر ۲۰۲۳۔ بی ایس سی گارڈن کالج۔ راولپنڈی۔

فیاض عرف پوپلی ـــــ حیدرآباد
عمر: ۱۱ سال تعلیم: سوئم
دل چسپیاں: ہمدرد نونہال پڑھنا
پتہ: دھرم شالا روڈ۔ کیفے خیام حیدرآباد

سراج الدین سلیمانی ـــــ ڈیرہ اسمٰعیل خاں
عمر: ۱۲ سال تعلیم: ششم
دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا۔ نماز پڑھنا
پتہ: جماعت ششم اے گورنمنٹ ہائی اسکول نمبر ۱ ڈیرہ اسمٰعیل خاں

آغا محمد عباس جعفری ـــــ کراچی
عمر: ۱۳ سال تعلیم: ہفتم
دل چسپیاں: فوٹوگرافی، بیڈمنٹن کھیلنا
پتہ: ڈی / ۴۰ رضویہ کالونی۔ ناظم آباد کراچی ۱۸

رئیس اعجازی ـــــ ڈھاکہ
عمر: ۱۷ سال تعلیم: دہم
دل چسپیاں: خطوں کا جواب جلد دینا
پتہ: بی/۱۰ نواب سلیم اللہ روڈ، ترائن گنج۔ ڈھاکہ

محمد اسلم خاں لودھی ـــــ جھنگ
عمر: ۱۷ سال تعلیم: سیکنڈ ایر
دل چسپیاں: قلمی دوستی۔ ٹکٹ جمع کرنا
پتہ: کوٹھی ۴/۲ سول لائن جھنگ صدر

سیّد ناصر سلطان نوخیزؔ ـــــ راولپنڈی
عمر: ۱۸ سال تعلیم: بی اے فسٹ ایر

دل چسپیاں : ہاکی کھیلنا۔ فوٹو جمع کرنا
پتہ : ۸۲۴/۴ڈی سیٹ لائٹ ٹاؤن
راولپنڈی

جلال اختر ماہ پوری ــــ دیناج پور
عمر : ۱۲ سال تعلیم : ہفتم
دل چسپیاں : قلمی دوستی کرنا
پتہ : نیو ٹاؤن نہال روڈ۔ دیناج پور

محمد شفیق ــــ ڈھاکہ
عمر : ۱۲ سال تعلیم : پنجم
دل چسپیاں : قلمی دوستی اور پڑھنا لکھنا
پتہ : معرفت ایس حسین کاٹیج ۱۶۹
شیخ کونی پارہ ڈھاکہ۔۵

سید ر۔ نیر ــــ کراچی
عمر : ۱۴ سال تعلیم : ہشتم
دل چسپیاں : قلمی دوستی اور ٹکٹ جمع کرنا
پتہ : ا۔سی ۲/۱۶ ناظم آباد۔ کراچی نمبر ۱۸
پاکستان

سید شمس الحسن زیدی ــــ کراچی
عمر : ۱۸ سال تعلیم : سوئم
دل چسپیاں : پڑھنا، کھیلنا، قلمی دوستی
پتہ : ۱۱۹/۸، ناظم آباد۔ بڑا میدان۔ کراچی ۱۸

حبیب اللہ شیخ ــــ کراچی
عمر : ۸ سال تعلیم : درجہ چہارم
دل چسپیاں : کہانی سننا، نماز پڑھنا
پتہ : ۵ لکی پیلیس کچہری روڈ۔ کراچی

ریاض محمد شیخ ــــ کراچی
عمر : ۱۴ سال تعلیم : ہشتم
دل چسپیاں : ہمدرد نونہال پڑھنا۔
پتہ : ۵۔ لکی پیلیس کچہری روڈ۔ کراچی

عزیز احمد عظیم ــــ لاہور
عمر : ۱۶ سال تعلیم : فسٹ ایئر
دل چسپیاں : مطالعہ کرنا۔ ٹکٹ جمع کرنا۔
پتہ : معرفت محمد اسلم بھٹی۔ دفتر ڈی ای
لاہور ریجن۔ لاہور۔

شیخ مقبول احمد فیاض ــــ میانوالی
عمر : ۱۴ سال تعلیم : ہشتم
دل چسپیاں : ہمدرد نونہال پڑھنا۔
پتہ : ہائی اسکول پپلاں ضلع میانوالی

محمد ارشاد خاں ــــ حیدرآباد
عمر : ۱۲ سال تعلیم : جماعت پنجم
دل چسپیاں : نماز پڑھنا، مطالعہ کرنا
پتہ : اسٹیشن روڈ گاڑی کھاتہ مکان
۸۹۵/۶۰/الف۔ حیدرآباد۔ سندھ

محمد شکیل اختر ــــ چٹاگانگ
عمر : ۱۳ سال تعلیم : نہم
دل چسپیاں : ہمدرد نونہال پڑھنا

پتہ : ۲۰/۳-الیف اگرآباد۔ چٹاگانگ
ایسٹ پاکستان

**ناصر احمد ندیم** ——— لاہور
عمر : ۱۸ سال تعلیم : دہم
دل چسپیاں : نماز پڑھنا۔ نونہال پڑھنا
پتہ : معرفت ڈاکٹر محمد یٰسین ـ یٰسین ڈسپنسری بیرون بھاٹی گیٹ۔ لاہور

**محمد لئیق شرقی** ——— ڈھاکہ
عمر : ۱۴ سال تعلیم : نہم
دل چسپیاں : قلمی دوستی، شعروشاعری
پتہ : معرفت ایس حسین کاٹیج ۱۶۹ نیج کونی پارہ۔ ڈھاکہ ۵

**الطاف محمود بھٹی** ——— لاہور
عمر : ۱۶ سال تعلیم : میٹرک
دل چسپیاں : ٹکٹ جمع کرنا
پتہ : صدر اسٹریٹ نمبر ۵ مکان نمبر ۳۳، گڑھی شاہو۔ لاہور۔ مغربی پاکستان۔

**عزیز اختر** ——— نئی دہلی
عمر : ۱۴ سال تعلیم : دہم
دل چسپیاں : ٹکٹ۔ مطالعہ۔ کرکٹ
پتہ : معرفت محمد شفیع الدین نیر جامعہ نگر۔ نئی دہلی۔ ۲۵۔ انڈیا

**احمد نصیر** ——— حیدرآباد
عمر : ۱۱ سال تعلیم : جماعت ششم
دل چسپیاں : ہاکی کا گول کیپر بننا
پتہ : سی/۲۶۲۔ بلاک ڈی یونٹ نمبر ۶ لطیف آباد حیدرآباد

★

## فارم حلقہ دوستی

نام : - - - - - - - - - - - - - - - - - - - - - -
عمر : - - - - - - - - - - - - - - - - - - - - - -
تعلیم : - - - - - - - - - - - - - - - - - - - - - -
دل چسپیاں : - - - - - - - - - - - - - - - - - - - - - -
پتہ : - - - - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

حکیم حافظ محمد سعید پرنٹر پبلشر نے زین پیکیجنگ انڈسٹریز کراچی میں چھپوا کر ادارہ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی۔ ۱۸ سے شائع کیا


سعالین
سُعالین
ہمدرد




اگست ۱۹۶۵ء — رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۹۰۳

آٹھواں شمارہ — ہمدرد نونہال — بارھویں جلد


# اس رسالے میں کیا ہے؟




قیمت: ایک رسالہ ۷۵ پیسے —— سالانہ آٹھ رُپے